عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان
ہفت روزہ
ختم نبوۃ
انٹرنیشنل
جلد نمبر ۱۱ شمارہ نمبر ۲۱
KHATME NUBUWWAT
(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

الحمدللہ
اس میدان میں قدم رکھا ہے
انشاءاللہ گولی سینے پر کھائیں گے
پشت پر کبھی نہیں کھائیں گے

شیخ الاسلام حضرت مولانا
محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا
۱۳ ستمبر ۱۹۷۴ء کو
یوم تشکر کے موقع پر کراچی میں خطاب

بوسنیا
یورپ کے سینٹر میں
اُبھرنے والی
اسلامی ریاست
جسے صلیبی استبداد کا
سامنا ہے

سیکولرازم کا تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ
حکومت کو لادینی بنانے کے ساتھ ساتھ مذہب و سیاست کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جائے۔
"اسلام اور سیکولرازم" کے موضوع پر ضخیم کتابوں اور طویل مقالوں سے بے نیاز کر دینے والی تحریر

مسلم اور مسلم دنیا

ایتھوپیا کے علاقے صوف میں ہر دن کئی لوگ محض بھوک کی تاب نہ لا کر دم توڑ رہے ہیں اور مرنے والوں کی اکثریت کے لیے کفن دفن کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے بغیر کفن ہی دفنا دیا جاتا ہے ان لوگوں میں مسلمان کی تعداد سو فیصد ہے۔

صومالیہ اور کینیا کے بارڈر پر واقع علاقہ لیبوی میں آباد لوگ بھوک کی تاب نہ لاتے ہوئے زہریلی جھاڑیاں پھل اور پتے چبانے پر مجبور ہیں جس کے نتیجہ میں خصوصاً بچے فوڈ پائزن غذائی زہر کا شکار ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے ہر دن بچوں کی ایک بڑی تعداد موت کا شکار ہو رہی ہے جن کے لیے نہ کفن میسا ہیں اور نہ ہی قبریں کھودی جاتی ہیں۔

شمالی کینیا میں واقع صومالی پناہ گزینوں کے کیمپ میں ہر دن پندرہ آدمی موت کا شکار ہو رہے ہیں یہاں بسنے والے لوگوں میں مسلمان سو فیصد کی تعداد میں ہیں اسی طرح خفیا کے پناہ گزینوں کے کیمپ میں ہر دن پانچ اموات واقع ہو رہی ہیں جن میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰ فیصد ہے اسی طرح ایتھوپیا کے لوگنڈی کیمپ میں ہر دن ساٹھ آدمی موت کا لقمہ بن رہے ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد سو فیصد ہے

گزشتہ چند سالوں میں محسوس کیا گیا ہے کہ یونان کی حکومت وہاں پر مقیم ترکی النسل مسلمانوں کے اقلیتی طبقے کے ساتھ نسلی تعصب اور منافرت پھیلانے اور ان پر غیر قانونی سختیاں کرنے کی عادی ہو چکی ہے اس دشمن حکومت کے مخاصمت سے بھرپور اس رویے کا نتیجہ ہے کہ اب وہاں کے مسلمان اپنے دینی معاملات بھی آزادانہ طور پر طے نہیں کر سکتے حکومت کی ان میں بھی دخل اندازی بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ گزشتہ دنوں جب یونانی مسلمانوں نے اپنا مفتی اعظم منتخب کرنا چاہا تو حکومت نے اس میں اپنی ترجیحات پر عمل کرنے کو لازم قرار دیا جس پر یونان میں مسلمان حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو گئے

تنزانیا میں صلیب بردار طلبہ

افریقی ملک تنزانیا میں عیسائی مبلغین کا حکومتی اداروں میں عمل دخل اور اونچی سطح کی شخصیتوں کے ساتھ ذاتی تعلقات کا نتیجہ ہے کہ ایسے ملک میں جہاں اکثریت مسلمانوں کی ہے وہاں کے مدارس میں طلباء کو اپنے سینے پر نہایت نمایاں انداز میں صلیب لٹکانے کا پابند بنا دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ تنزانیا کے نوجوان مسلمان اپنے دین اور اپنے اسلامی تشخص سے دست برداری کا اعلان کر دیں۔

سعودی عرب کا تحفہ

امسال رمضان المبارک کے موقعہ پر سعودی عرب کے شاہ فہد نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو قرآن مجید کا خصوصی تحفہ ارسال کیا ہے جو ملین سے زائد تعداد میں اور مختلف زبانوں پر مشتمل تراجم والے یہ قرآن رابطہ عالم اسلامی مکہ المکرمہ کے ذریعے دنیا کے مختلف اداروں اور مساجد تک پہنچائے گئے۔ ان کی طباعت اور پرنٹنگ کا اہتمام مدینہ منورہ کے عالمی شہرت یافتہ شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلکس نے کیا تھا۔

امریکی خلائی ادارے میں مسلمان سائنسدان

ہندوستانی نژاد امریکہ میں مقیم مسلمان سائنسدان زاہدا محمد کو وہاں کے عالمی شہرت یافتہ خلائی سائنسی ادارے ناسا کی جانب سے بہترین کارکردگی پر خصوصی ڈگری دی گئی ہے۔ اور ادارے کے سربراہ نے ان کی صلاحیتوں کو اعلیٰ اور نہایت عمدہ قرار دیا ہے۔

واضح ہو کر جناب زاہدا محمد خلائی جہاز کے ایک ماہر انجینئر ہیں انہوں نے چاند پر بھیجے جانے والے خلائی سیارے میں کمپیوٹر پروگرامنگ نہایت عمدہ انداز میں کی تھی علاوہ ازیں خلائی جہازوں کی تیاری ان کی ڈیزائننگ وغیرہ میں موصوف کی صلاحیتوں کا بڑا دخل ہے۔

مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کا منصوبہ!

معتبر ذرائع کے مطابق حال ہی میں جرمنی میں یورپ کے مستشرقین کی ۲۰ ویں عالمی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کئے جانے والے فیصلوں اور قراردادوں کو نہایت خفیہ رکھا گیا۔ اس کانفرنس میں اکثر شرکت کرنے والے ممبر یہودی عیسائی اور ملحد تھے کانفرنس کے تمام ممبروں نے حالیہ اسلامی احیاء کی تحریکوں کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد بالاتفاق یہ قرارداد پاس کی کہ اسلام کا زور توڑنے کی خاطر مسلمانوں کے درمیان مذہبی اور علاقائی غرض ہر سطح پر اختلافات کو ہوا دی جائے انہی اختلافات کے ذریعے وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑ سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ مستشرقین مغربی دانشوروں کا وہ طبقہ کہلاتا ہے جو اسلامی اور مشرقی علوم میں ماہر ہوتے ہیں

مسلمان ملک برونئی میں مخالف اسلام تنظیموں پر پابندی

گزشتہ دنوں سلطنت برونئی کی حکومت نے ملک میں قیام پذیر عیسائی مذہب کے پیشواؤں راہبوں اور مبلغین کو ملک سے نکل جانے کا حکم دیا ہے۔ علاوہ ازیں ان تنظیموں پر نہایت سخت قانونی پابندیاں لاگو کر دی گئی ہیں جو مختلف فرضی ناموں سے معروف ہیں مگر در پردہ عیسائیت کی تبلیغ ان کا مقصد ہے اسلامی حکومت کے نام سے جاری کئے جانے والے اس قانون کے اجراء نے ان تمام تنظیموں اور اداروں کو محدود حلقے میں پابند کر دیا گیا ہے جن کے چہروں پر انسانی تعاون اور ہمدردی کے نقاب چڑھے ہوئے تھے اور انہی انسانی خدمات کی آڑ میں انہوں نے اسلامی سلطنت برونئی میں پادریوں، راہباؤں کی اچھی خاصی تعداد پہنچا دی۔ نتیجتاً برونئی پچھلے چند سالوں میں مسیحی نشاطات کا مرکز بنتا جا رہا ہے ان کے نزدیک مسیحیت کو رواج دینے کا سب سے بڑا ذریعہ وہ مزدور طبقہ ہے جو چین سے برونئی میں محنت مزدوری کرنے کی غرض سے آیا ہے یہ لوگ اس وقت برونئی کی آبادی میں ۴۰ فیصد ہیں بظاہر ان محنت کش لوگوں کا کوئی دین و مذہب نہیں مگر عیسائی مشنریوں نے انہیں استعمال کر کے حکومت کے اعلیٰ اور خفیہ اداروں

باقی صفحہ ۲۴ پر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان

ہفت روزہ

ختم نبوت

KHATME NUBUWWAT

(AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)

شمارہ نمبر ۲۱	۲۵ ربیع الثانی تا یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۳ تا ۲۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء	جلد نمبر ۱۱

مدیر مسئول: عبدالرحمٰن باوا

اس شمارے میں

۱۔ مسلم اور مسلم دنیا ۔۔۔۔ ۲
۲۔ تیری رحمت زیادہ (نظم) ۔۔۔۔ ۴
۳۔ بوسنیا جیسے صلیبی اسپین کا سامنا ہے (اداریہ) ۔۔۔۔ ۵
۴۔ اسلام اور سیکولرازم ۔۔۔۔ ۶
۵۔ مولانا رائے پوری کی تحریک ختم نبوت سے دلچسپی ۔۔۔۔ ۱۰
۶۔ مولانا فخرالدین صاحبؒ ۔۔۔۔ ۱۵
۷۔ نقطۂ نظر ۔۔۔۔ ۱۶
۸۔ پریس کانفرنس ۔۔۔۔ ۱۷
۹۔ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کا کراچی میں خطاب ۔۔۔۔ ۱۸
۱۰۔ اسلام سب سے بہتر مذہب ہے ۔۔۔۔ ۱۹
۱۱۔ گوشۂ کتب ۔۔۔۔ ۲۷

سرپرست

شیخ المشائخ حضرت مولانا
خان محمد صاحب مدظلہ
خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف
امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت

نگران اعلیٰ

مولانا محمد یوسف لدھیانوی

معاون مدیر

مولانا منظور احمد الحسینی

سرکولیشن منیجر

محمد انور

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ

رابطہ دفتر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
جامع مسجد باب الرحمت ٹرسٹ
پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی ۷۴۴۰۰ پاکستان
فون نمبر 7780337

LONDON OFFICE:
35 STOCKWELL GREEN
LONDON SW9 9HZ U.K
PH: (31)-737-8199.

چندہ اندرون ملک

سالانہ	۱۵۰ روپے
ششماہی	۷۵ روپے
سہ ماہی	۴۵ روپے
فی پرچہ	۳ روپے

چندہ بیرون ملک

غیر ممالک سے سالانہ بذریعہ ڈاک ۴۵ ڈالر
چیک / ڈرافٹ بنام "ویکلی ختم نبوت"
الائیڈ بینک بنوری ٹاؤن برانچ

ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

داغ

نہیں ہوتی بندے سے طاعت زیادہ
بس اب خانہ آباد! دولت زیادہ
وہ تشریف لاتے ہی بولے کہ رخصت
نہیں ہم کو ملنے کی فرصت زیادہ
الٰہی زمانے کو کیا ہوگیا ہے!
مُحبّت تو کم ہے عداوت زیادہ
عدم سے رب آتے ہیں یاں چار دن کو
نہیں ہوتی منظور رخصت زیادہ
مری بندگی سے مرے جُرم افزوں
ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ

نذیر اکبر آبادی کی نظم کے چند اشعار

اومیاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

ایک دن اک استخواں اوپر پڑا میرا قدم
کیا کہوں غفلت میں کیا کیا مجھ کو اس دم دھیان تھے
پاؤں پڑتے ہی غرض اس استخواں نے آہ کی
اور کہا غافل کبھی ہم بھی تو صاحب جان تھے
ایک ہی چکر رجل نے آن کر ایسا دیا!
نہ وہ ہم اور نہ وہ سارے عیش کے سامان تھے
ایسی بیدردی سے ہم پر پاؤں نہ رکھ اے نذیر
اومیاں ہم بھی کبھی تیری طرح انسان تھے

بوسنیا، جسے صلیبی استبداد کا سامنا ہے۔

آج سے چودہ سو سال قبل سے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام نامی آفاقی نظام لیکر فاران کی چوٹیوں پر جلوہ گر ہوئے تب سے روز قیامت تک دنیا کیلئے خداوند قدوس نے بطور دین صرف اسلام ہی کو پسند اور مقرر فرمایا ہے اب کوئی نبی و رسول بحیثیت نبی و رسول کے آئے گا اور نہ ہی کوئی اور آسمانی مذہب آئے گا۔ قیامت تک کل کی کل مدت اب صرف اور صرف اسلام ہی کا دور ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وانذر عشیرتک الاقربین پر عمل سے لیکر ماضی قریب میں سوویت یونین کی عبرت ناک شکست تک اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ عجیب حالات اور عجیب کیفیات کا مجموعہ ہے۔ اس میں بدر سے لیکر فتح مکہ تک کی فتوحات بھی ہیں اور سقوط بغداد کے مناظر بھی۔ اس میں تاتاریوں کے مظالم کی سیاہ رات بھی ہے اور صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم جیسے فاتحین کے کردار بھی۔

گذشتہ تین صدیاں اسلام کا دور خزاں رہا ہے اور اسمیں قصور اسلام کا نہیں بلکہ عیاش سلاطین اور دین سے لاپرواہ رعایا کا ہے۔

اب اسلام کا موسم بہار لوٹ کر آنے کو ہے جسے مسلم ممالک کے سلاطین و حکمرانوں سے لیکر عوام تک درست طور پر محسوس نہیں کر پا رہے لیکن وہ ممالک جہاں کے مسلمان اقلیت میں ہیں وہ محسوس کر چکے ہیں اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اسلام کا نیا دور دنیا کے جغرافیائی نقشے پر بکھرے ہوئے پچپن نام نہاد "اسلامی ممالک" نہیں بلکہ عالم کفر کے درمیان سے جنم لے گا۔

اس دور کی امید کی نئی کرن یورپ کے وسط سے ابھرنے والی ریاست بوسنیا ہے جہاں کے مسلمانوں کو محض اسلام کے نام پر آزادی کا اعلان کرنے کی سزا دی جا رہی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ بوسنیا کو سربیائی جارحیت کا سامنا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بوسنیا کو محض سربیائی جارحیت کا نہیں بلکہ پورے عالم کفر کی جارحیت کا سامنا ہے کیونکہ سربیا کے آٹھ سو لڑاکا طیارے چار سو ٹینک اور تین ہزار توپیں اگر بوسنیا کے شہروں کو کھنڈرات اور میدانوں کو قبرستان بنا رہے ہیں تو مغربی ممالک نے بوسنیا کی ناکہ بندی کر رکھی ہے تاکہ اسے اسلحہ سپلائی کیا جا سکے۔ اور نہ ہی فضائی راستے سے ایسا ہونے دیا جا رہا ہے۔

اس موقع پر اسلام دشمن ادارے اقوام متحدہ کا کردار بھی ہمارے سامنے ہے وہ محض زبانی جمع خرچ تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ جبکہ مسلم ممالک کا کردار بھی فیصلہ کن نہیں ہے مسلم ممالک کے ارباب اقتدار اقوام متحدہ نامی بھینس کے آگے بین بجا رہے ہیں جس سے وقت کے ضیاع کے سوا کچھ بھی نہیں ہو رہا حالانکہ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کے عہدے پر ایک اسلامی ملک کا نمائندہ براجمان ہے مگر اس پر اسلامی ملک کا تو اثر نہیں۔ البتہ اس کی یہودی بیوی کے اثرات روز روشن کی طرح واضح ہیں۔

معتصم باللہ کے دور میں جبر و استبداد کا شکار ہونے والی عورت نے جب وامعتصماہ کی آواز لگائی تو معتصم فوج لیکر اس کی مدد کو جا پہنچا تھا نہ اس نے مذاکرات کئے تھے اور نہ ہی قراردادیں پیش کیں تھیں آج کا مسلمان اقوام متحدہ نامی بیٹری کب اٹھائے گا اور اپنے فیصلے بندوق کی نوک پر کب شروع کرے گا۔ حالانکہ بوسنیا کے مظلوم مسلمان چیخ رہے ہیں وہاں کی خواتین آوازیں دے رہی ہیں وامسلماہ وامسلماہ وامسلماہ!!!

کیا پچپن ممالک پر مشتمل ایک ارب مسلمان بوسنیا کے مسلمانوں کی مدد سے قاصر ہیں؟

۳۰ جون ۱۹۹۱ کو شہر وانمباڑی۔ مدراس۔ انڈیا کے اسلامیہ ہائی اسکول میں انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام پیر عزیز الدین میموریل لکچرز کی تقریب کے موقع پر مولانا مفتی عبدالرؤف خان افغانی کو ”اسلام اور سیکولرزم“ کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے کے لئے انجمن کی طرف سے دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے دعوت قبول کر کے اس موضوع پر اپنا تحقیقی مقالہ پیش فرمایا جسے علاقے کے علماء۔ اداروں کے ذمہ دار حضرات اور با اثر تعلیم یافتہ افراد کے بڑے مجمع نے بڑی دلچسپی سے سنا اور پسند کیا۔

اسلام اور سیکولرزم

مفتی عبدالرؤف خان افغانی

تاریخ انسانی پر جب ہم ایک غائرانہ نظر ڈالتے ہیں تو بہت سے فاسد خیالات۔ لاتعداد نظریئے اور زہریلے افکار کے آہن پوش لشکر ہمیں باہم برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ کہیں فرعونیت کا چرچا ہے تو کہیں قارونیت کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ کسی جگہ قیصریت کا شہرہ ہے تو کہیں کسرائیت کی آوازیں آرہی ہیں۔

اگرچہ تاریخ انسانی کے پورے سفر میں اسی اتھل پتھل اور شور شرابے کا ماحول گرم ہے لیکن بیسویں صدی اس لحاظ سے کچھ زیادہ ہی اہمیت کی حامل ہے کہ ذہنی پراگندگی فکری انتشار۔ سیاسی و مذہبی کشمکش اس صدی میں اپنے شباب کو پہنچ رہی ہے۔ اور باطل جماعتوں نے پوری قوت سے عالم اسلام پر شب خون مارا ہے۔

ایک مورخ فکر و تدبر۔ ذہانت و فراست اور دوربینی کے ساتھ دنیا کی تاریخ کا جائزہ لے کر حالات کا صحیح موازنہ کرے تو یقیناً وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ صدی اپنے باغیانہ افکار۔ ملحدانہ خیالات اور منافقانہ نظریات کی پرورش میں دیگر تمام صدیوں سے بازی لے گئی ہے۔

سرمایہ داری کا ظہور بھی اسی میں ہوا ہے تحریک الحاد بھی یہیں سے اٹھی ہے اور دنیا میں عدل و مساوات کا پر فریب نعرہ لگا کر انسانیت کا خون چوسنے والے اشتراکیت و کمیونزم جیسے ناپاک نظریے بھی اسی صدی کی پیداوار ہیں۔ لیکن اس صدی کا سب سے اہم نظریہ وہ فکر ہے جس کو دنیا آج سیکولرزم کے معروف نام سے جانتی ہے۔ یہ نام اگرچہ نیا نہیں پرانا ہے۔ اور دنیا کا بچہ بچہ اس سے پوری طرح واقف ہے لیکن اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ اس تحریک کے پس منظر۔ اس کے اغراض و مقاصد اور اس کے مزاج سے عوام تو کیا بعض دانشوران قوم بھی پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ اسی کے پیش نظر ہم نے اس مقالہ میں جہاں اس نظریے کی پوری تاریخ قلمبند کی ہے وہیں ایک آفاقی اور ہمہ گیر فکر کے تحت اپنی نگاہ کو کسی ایک نقطہ کے بجائے پوری دنیا پر مرکوز رکھا ہے۔

اگر ہم ابتداء ہی میں سیکولرزم کے اس مفہوم پر بحث کرنے لگتے جو ہندوستان میں عموماً مراد لیا جاتا ہے تو اس سے مقالہ کی خانہ پری تو ہو جاتی لیکن جہاں اس عنوان کی وسعت کو صدمہ پہنچتا۔ اس کی آفاقیت متاثر ہوتی۔ وہیں ہمارا یہ وسیع موضوع ہندوستان ہی میں سمٹ کر رہ جاتا اور اس کا پورا حق بھی ادا نہ ہوتا۔ اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے بغیر کسی خوف و جھجک کے اس موضوع پر بہت بے باک ہو کر قلم اٹھایا ہے اور اس کے ایک ایک پہلو۔ ایک ایک زاویہ کو اس انداز سے مرتب کیا ہے کہ سامعین جہاں اس کی ماہیت سے واقف ہوں۔ اس کے ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں وہیں ان تمام اسباب و عوامل کا بھی مطالعہ کرتے چلیں جو اس نظریے کی تخلیق کا باعث بنے ہیں۔ اس طرح یہ مقالہ مختلف ہمہ گیر پہلوؤں کو سمیٹنے کے ساتھ ساتھ اس سلسلہ کی ایسی مستند دستاویز بن گیا ہے جو ہر دور میں تاریخ کے طالب علم کی راہنمائی کرتی رہے گی۔ یہاں پر ہم اس امر کی بھی وضاحت کر دیں کہ سیکولرزم پر بے لاگ تبصرہ کرنے اور اس کی متعدد توجیہات کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لینے میں ہم نے ذرا سخت موقف اختیار کیا ہے (جس سے سامعین کو کچھ نہ کچھ غلط فہمی ہو سکتی ہے) لیکن لائحہ عمل کے باب میں آکر یکایک اپنی پوزیشن بدل دی ہے اور ایک وقت مقررہ تک ہم نے اس سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ کیونکہ مختلف مصلحتوں کے پیش نظر ہم بھی ہندوستان میں سیکولرزم ہی کو مفید سمجھتے ہیں۔

سیکولرزم کا تاریخی پس منظر

رومی سلطنت نے اپنے آبائی مذہب بت پرستی کو چھوڑ کر ۳۰۵ عیسوی میں جب عیسائیت کو قبول کیا تو اس بے یارومددگار مذہب کو اپنی شان و شوکت۔ رعب و دبدبہ قائم کرنے اور عالمگیر پیمانے پر مذہبی اشاعت کا وہ موقع مل گیا جس کا وہ برسوں سے آرزومند تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تک وہ محض بوریا نشین زاہدوں اور جنگل میں روپوش راہبوں کا ایسا مذہب تھا جو صرف فلسطین کی گلیوں تک محدود تھا۔ لیکن جب ایک بڑی طاقت نے اس پر دست شفقت رکھا تو وہ آندھی اور طوفان کی طرح اٹھا اور بحر الکاہل تک تمام ساحلی ملکوں کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہوا پورے یورپ پر چھا گیا۔ اور اس کی اشاعت کے لئے سرکاری ذرائع ابلاغ اور مملکت کی پوری مشینری حرکت میں آگئی۔ اس طرح چھٹی صدی عیسوی تک مسیحیت نے نہ صرف یہ کہ یورپ میں اپنے قدم جما لیے بلکہ کلیسائی نظام اور محکمۂ احتساب کا گھناؤنا جال بچھا کر یورپ کے عوام کو پورے طور پر اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ یورپ اپنے خودساختہ فلسفوں۔ تاریک نظریوں اور کلیسائی نظام کی بنا پر اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں

مار رہا تھا۔ علم و حکمت، صنعت و حرفت کی اس کو ہوا تک نہ لگی تھی۔ لیکن جب ساتویں صدی کے اوائل میں اسلام کا روشن آفتاب طلوع ہوا اور اس کی نورانی کرنیں عرب کے ریگزاروں سے نکل کر افریقہ اور یورپ تک پھیلیں تو وہاں کی فضاؤں سے وہ کہر چھٹنے لگا جو مسیحیت کی تاریک دنیا میں زمانہ دراز سے چھایا ہوا تھا۔ آٹھویں صدی عیسوی میں جب عرب کے ان جیالے سپوتوں نے عیسائیت کو بیت المقدس سے بے دخل کر دیا اور بے خوف و خطر الشیاء و افریقہ کو روندتے ہوئے فرانس کی وادی پیرنیز تک جا پہنچے تو ان کی سانسوں کی آواز سن کر عیسائیت کا وہ قصر لرزنے لگا جو یورپ کو اپنی آبائی جاگیر سمجھ رہا تھا۔ نیز مسلمانوں کے پے در پے حملوں اور ان کی جرأت مندانہ پیش قدمی کو دیکھتے ہوئے عیسائی دنیا یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ اگر عربوں کی فتوحات کا یہی حال رہا تو مسیحیت کی تاریخ میں وہ دن ضرور آئے گا جب وہ کلیساؤں اور شہروں کو چھوڑ کر پہاڑوں اور ویرانوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گی۔ اس بھیانک انجام کو سوچ کر پادریوں کے بدن تھرا گئے۔ دل و دماغ لرز اٹھے۔ ان کی عقلیں جواب دینے لگیں۔ اور جب کچھ نہ بن پڑا تو جور و تشدد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے دبے اور کچلے عوام کی عقل و فراست پر پہرے بٹھا دیئے اور ان تمام لوگوں کو مجرم قرار دیا جو علم و ضیاء یا شیوں سے مستفید ہو کر کلیسائی نقطہ نظر سے اختلاف کرنے لگے تھے۔

یہ طریقہ اگرچہ ایک حد تک کامیاب رہا اور مسیحیت جزوی طور سے اپنا تخت و تاج بچانے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن سولہویں صدی تک پہنچتے پہنچتے جب پاپاؤں کے ظلم و ستم حد سے تجاوز کرنے لگے تو سالہا سال سے پسے عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور راہبین کے درمیان سے علماء کی ایک بڑی اکثریت مذہب سے بغاوت کرتے ہوئے عیسائیت کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ ردعمل چونکہ برسہا برس کی زیادتیوں کا نتیجہ تھا۔ اس لئے اس کے اندر اتنا غلو اور تیزی آگئی کہ مذہبی طبقہ گھبرا گیا۔ اسے زمین تنگ اور آسمان گرتا ہوا محسوس ہوا کیونکہ ملحدین ان خونخوار بھیڑیوں کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ جنہوں نے مذہب کا سہارا لے کر صدیوں ان کے آباء و اجداد کی رگوں سے لہو نچوڑا تھا۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ملحدوں نے باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر کے نہ صرف یہ کہ عیسائیت کے خلاف مورچہ بندی شروع کر دی بلکہ زندگی کے ہر میدان میں مذہب کو للکارتے ہوئے اس کے خلاف زبردست جنگ چھیڑ دی۔ میدان میں کیونکہ دونوں حریف ٹکر کے تھے اور کلیسا اتنا کمزور بھی نہ تھا کہ آسانی سے ہتھیار ڈال دیتا چنانچہ اس نے اپنی قیادت کو بچانے کے لئے ہر طریقہ اختیار کرتے ہوئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ لیکن اس کے باوجود ظالموں کا یہ تھکا ہوا ٹولہ اس تازہ دم طاقت کا مقابلہ نہ کر سکا جو مظلوموں کی آواز بن کر پورے یورپ میں گونج رہی تھی۔ عیسائیت آخر تک معاشرہ پر اپنی بالادستی چاہتی تھی جبکہ فریق مخالف اسے زندہ رہنے کا حق دینے کا بھی روادار نہ تھا۔ اسی نقطہ پر یہ دونوں تحریکیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے زمانہ دراز تک گھمسان کی جنگ لڑتی رہیں اور طویل قربانیاں دینے کے بعد جنگ کو اس منزل پر لے ہی آئیں جس میں ایک کی فتح اور دوسرے کی ہار یقینی تھی۔ لیکن عین وقت پر جبکہ فیصلہ کن معرکہ گرم تھا عیسائیت ملحدوں کے سامنے سپر ڈالنے کی تیاری کر رہی تھی کہ اچانک "جارج جیکب ہولی اوک" کی قیادت میں ایک منافق گروپ بیچ میں کود پڑا۔ اور اس نے مذہب کو پرائیویٹ معاملہ قرار دینے کی آواز اٹھا کر سالہا سال تک چلنے والی جنگ کی بساط ہی الٹ دی۔ یہی وہ نظریہ تھا جس کو ہم آج "سیکولرزم" کے معروف نام سے جانتے ہیں۔

تحریک الحاد کیونکہ مذہب سے نفرت کے ساتھ ساتھ اسے ایسا ڈھکوسلہ بھی قرار دیتی تھی جس سے انسانیت کو نجات دلانا اس کے نزدیک اولین فرض تھا اس لئے اسے ان لوگوں کی حمایت حاصل نہ ہو سکی جو مذہب کے لئے ذرا بھی نرم گوشہ رکھتے تھے۔ جبکہ عیسائیت اپنے ظلم

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی

تحریک ختم نبوت سے دلچسپی

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ جب پاکستان تشریف لاتے تو دو نئی باتوں کا اضافہ ہو جاتا۔ ایک تو یہ کہ پاکستان پہنچ کر تحریک قادیانیت کے خطرات اور اس کے دور رس اثرات کا احساس (جو کبھی فراموش و نظر انداز نہیں ہوتا تھا) تازہ ہو جاتا تھا اور طبیعت مبارک پوری قوت و ہمت کے ساتھ اس کے مقابلہ، تردید اور ملک کی اس سے حفاظت کی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جاتی اور یہ مسئلہ مجالس اور گفتگو کا سب سے بڑا موضوع بن جاتا علماء اور زعمائے احرار میں سے (جن کو اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کے مقابلہ کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے اور حضرت نے ان کو اس "جہاد اکبر" پر خود مامور فرمایا ہے) آجاتے تو ہر گفتگو ختم ہو کر بے اختیار یہی موضوع چھڑ جاتا خصوصاً مولانا محمد علی جالندھری، مولانا لال حسین اختر اور قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کی تشریف آوری تو گویا دل کا ساز چھیڑ دیتی اور اس موضوع کے سوا کوئی دوسرا موضوع سخن نہ رہتا۔ ان حضرات کی کارگزاری سے ان کی ہمت افزائی اور تحسین فرماتے اور نئی تحقیقات و معلومات دریافت فرماتے، مولانا محمد حیات صاحب (جو قادیانی لٹریچر کے حافظ اور قادیانیت کا دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہیں) تشریف لاتے تو گویا رد قادیانیت کی کتاب کھل جاتی، ہمہ تن گوش اور سراپا ذوق ہو کر ان کی نادر تحقیقات اور زندگی کے تجربات سنتے اور کسی طرح ان کی گفتگو سے سیری نہ ہوتی حضرت کو اسی محفل میں کھل کھلا کر ہنستے اور لطف و مسرت کا اظہار کرتے دیکھا گیا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ وقتاً فوقتاً مجلس کو اپنے لطائف اور قادیانیت پر تبصرہ سے زعفران زار اور باغ و بہار بنا دیتے حضرت اس میں کوئی مداخلت گوارہ نہ فرماتے اور گویا کیفیت یہ ہوتی،

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

اقتباس از
سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوری

وستم۔ جبر و تشدد اور زیادتیوں کی وجہ سے اس مذہبی طبقہ کی حمایت سے محروم رہی اور سیکولرزم نے اپنی منافقانہ روش کی بناء پر نہ صرف یہ کہ اکثریت کی تائید حاصل کر لی بلکہ عیسائیت کو بھی مجبور ہو کر سیکولرزم سے سمجھوتہ کرنا پڑا۔ ملحد تو یوں سیکولرزم کی پشت پناہی کرنے لگے کہ وہ حکومت و سلطنت اور اجتماعی طور سے مذہب کو معاشرہ سے نکالنے میں ان سے کامل اتفاق کرتے تھے۔ جبکہ عیسائیت اپنے خطرناک اور بھیانک انجام کو دیکھ رہی تھی کہ ملحدین کی جماعت عنقریب اسے دم دبا کر بھاگنے پر مجبور کر دے گی۔ اس لئے الحاد کے بالمقابل سیکولرزم جیسی تحریک اسے بروقت نصرت خداوندی محسوس ہوئی جو انسانوں کو اجتماعی طور پر نہ سہی انفرادی طور پر کم از کم مذہبی رواداری کا حق دیتی ہے۔ اسی کو سوچ کر عیسائیت نے ملحدوں کو شکست دینے کے لئے اپنی بچی کھچی طاقت کا وزن سیکولرزم کے پلڑے میں رکھ دیا۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے قیادت کا منصب سونپ کر خود کلیسا تک محدود ہو گئی۔

اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ایک مؤرخ یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہے کہ میدان مبارزہ میں اگرچہ الحاد و کلیسا ہی برسر پیکار ہیں لیکن میدان سیکولرزم کے ہاتھ رہا ہے۔

سیکولرزم پر ایک اجمالی نظر

سیکولرزم دراصل یورپ کے ایک باشندے جارج جیکب ہولی اوک نامی کے فاسد خیالات کا پلندہ اور اس گمراہ قیاس کا نتیجہ ہے۔ یہ شخص ۱۸۱۷ء میں برطانیہ کے ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کے آباؤ اجداد مذہبی ہونے کی بناء پر کلیسا سے قریبی مراسم رکھتے تھے۔ اسلئے اس نے زمانہ طفولیت سے ہی مذہبی لباس میں پوشیدہ کلیسائی درندوں کو غریب عوام کا خون چوستے اور مردوں کی ہڈیاں بھنبھوڑتے دیکھا تھا۔ پادریوں کے ان ہولناک مظالم کی بناء پر اس کا دل مذہب سے اتنا بیزار ہو گیا کہ ۱۸۴۱ء میں اس نے خدا کا انکار کرتے ہوئے عیسائیت سے کھلے عام بغاوت کر دی۔ معاشرہ پر چونکہ کلیسائی گرفت مضبوط تھی اس لئے اس کی تحریک کو نہ صرف ناکامی کا سامنا ہوا بلکہ اس جرم کی پاداش میں اسے مختلف ایذائیں، طرح طرح کی سزائیں اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں۔ مگر وہ شخص طویل مشقتوں کے باوجود عیسائیت کی جانب لوٹ کر نہ آیا جس کا دل بچپن ہی میں مسیحیت سے کھٹا ہو گیا تھا۔ البتہ ان تلخ تجربات کی بناء پر وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ ملحدوں کی طرح وہ بھی خدا و مذہب کا بالکلیہ انکار کرتا رہا تو جہاں وہ مذہبی لوگوں کی حمایت سے محروم رہے گا وہیں پاپاؤں کا طبقہ اس کی راہ کا روڑا بن جائے گا اور اسے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ایک طویل عرصہ درکار ہو گا۔ اس منزل پر آ کر اس نے نفاق کا چولا پہنا اور ۱۸۵۱ء میں سیکولرزم کی اصطلاح گھڑ کے مذہب و الحاد کے درمیان ایسی راہ نکالی جو بظاہر تو مذہب سے بیزار نہ تھی لیکن حقیقتاً مذہب کو مٹانے کے لئے الحاد کی تمہید تھی۔ اور اس کا فائدہ بالآخر تحریک الحاد کو پہنچا تھا۔ کیونکہ مذہب کو جب پرائیویٹ زندگی میں محدود کر دیا جائے تو تاریخ میں وہ دن ضرور آئے گا جب مذہب پرائیویٹ زندگی سے بھی رخت سفر باندھنے پر مجبور ہو گا۔ ؎

جلال پادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو!!
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اس طرح جہاں وہ تحریک الحاد کو پھیلانے میں کامیاب ہوا وہیں مذہب کو پرائیویٹ زندگی میں جگہ دے کر ان پاپاؤں کے نزدیک بھی ہیرو بن گیا جو ملحدین کے حملوں کی تاب نہ لا کر شہر قیادت سے کوچ کرنے کی تیاری کر چکے تھے۔

باغباں بھی خوش رہا راضی رہا صیاد بھی

اس سے پہلے کہ ہم مزید آگے بڑھتے ہوئے سیکولرزم کے ہر ہر پہلو کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیں ضروری سمجھتے ہیں کہ ایک نظر ان کلمات پر بھی ڈالتے چلیں جو سیکولرزم پر ایمان رکھنے والوں نے اس کی تعریف میں نقل کئے ہیں۔

آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کا مصنف سیکولرزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

Doctrine that the morality be non religious, policy of excluding religious teaching from schools under state control.

ترجمہ: یعنی یہ اصول کہ اخلاق کی بنیاد غیر مذہبی ہو اور مملکت کی زیر نگرانی چلنے والے مدارس و یونیورسٹیوں سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دینے کی پالیسی پر سیکولرزم کا اطلاق ہوتا ہے۔

پھر لفظ "سیکولر" کے معنی بیان کرتے ہوئے مصنف رقمطراز ہے۔

Concerned with affairs of this world.

وہ نظریہ حیات جس کا تعلق صرف اس دنیا کے معاملات سے ہو۔

مزید آگے بڑھ کر وہ سیکولرزم کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

Secularism is the term applied in general to separation of state politics of adminstration from religious or church matter.

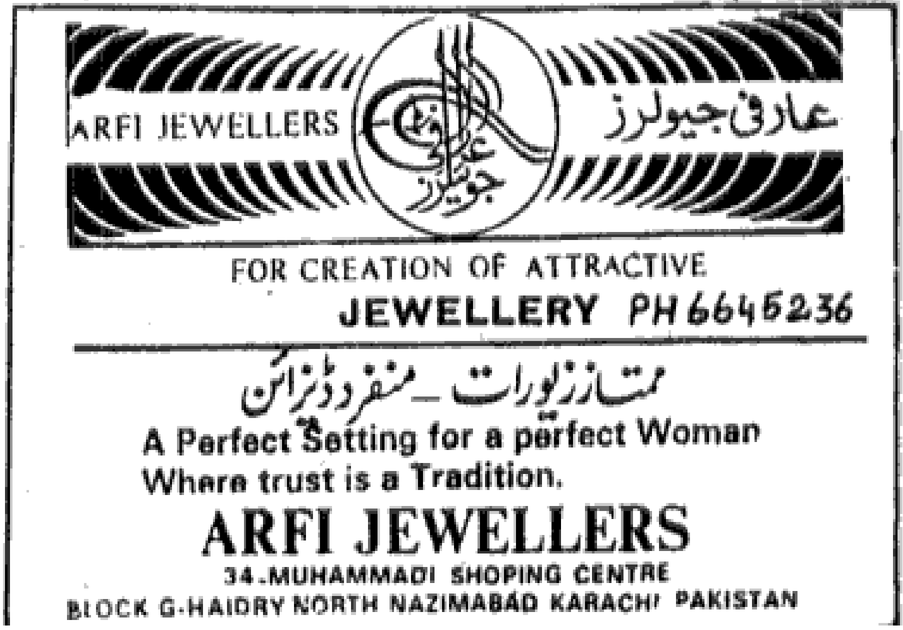

یعنی مملکت کے نظم ونسق کو اگر بالکلیہ مذہب سے جدا کر دیا جائے تو اس نظام کو سیکولرزم کہا جاتا ہے جبکہ ”انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا“ میں سیکولر تعلیم کے متعلق یہ الفاظ درج ہیں:

Secular education is a system of training from which definite religious education is exceluded. Frontline

کہ سیکولر تعلیم وہ طریقۂ تربیت ہے جس سے مذہبی تعلیم خارج کر دی گئی ہو۔

سیکولرزم کے پس منظر، اس کے بانی کے فکر و شعور اور اس کی لغوی و اصطلاحی تعریفوں کے پیش نظر ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ سیکولرزم کی عمارت مندرجہ ذیل چار ستونوں پر کھڑی ہے۔

(۱) دیگر نظاموں اور مستعد دا زموں کی طرح وہ بھی عقل انسانی کو معیار قرار دے کر محض اس مادی دنیا پر نگاہ رکھتا ہے اور اجتماعی طور پر ایسا ماحول بنانے پر زور دیتا ہے جو انسانوں کی توجہ غیبی دنیا سے پھیر کر اس شاہداتی دنیا پر مرکوز کر دے۔

(۲) وہ اخلاقیات و سماجیات کو مذہب سے جدا کر کے لادینی بنانے کا متمنی ہے۔

(۳) مملکت و سلطنت اور سیاست سے مذہب کو دور رکھنا چاہتا ہے۔

(۴) طریقۂ تعلیم کو مکمل لادینی بنانے کا آرزو مند ہے۔ سیکولرزم کی نقل کردہ تعریفوں سے یہ تو چار ماخذ کردہ اصول تھے۔ جبکہ اس نظریہ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک ہندوستانی مفکر ”راجیو بھارگوا“ انگریزی جریدے ”... “ میں اس کی مزید پانچ توجیہ نقل کرتا ہے۔

(۱) حکومت محض نام کے اعتبار سے سیکولر ہو اور اس نظریہ کے مطابق تمام ملک میں پھیلے مذاہب کی سرپرستی کرے اس مذہب کو غالب کرنے کی کوشش کرے جو ملک کی اکثریت کا مذہب ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اقلیت کے مذہب کا استحصال بھی نہ ہو۔

(۲) ہر مذہب کے فرقہ پرستوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ اور حکومت ان سب کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر مصالحانہ رویہ کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھے۔ پچھلے بیس برس سے ہندوستان سیکولرزم کی تقریباً اسی شق پر عمل پیرا رہا ہے۔

(۳) سیکولرزم سے مراد وہ نظریہ ہے جس میں تمام مذاہب کا یکساں احترام ہو اور کسی کو دوسرے پر مذہبی حیثیت سے کوئی فوقیت نہ ہو۔ تمام لوگوں کو بلا تفریق مذہب و ملت یکساں مواقع حاصل ہوں۔

ہندوستان کے سیکولر دانشور سیکولرزم کی اسی توجیہ کو مناسب پالیسی اور ہندوستانی مزاج سے ہم آہنگ قرار دیتے ہیں۔ آزاد ہندوستان کی معمار شخصیت اور مدراس کے پہلے وزیراعلیٰ ”سی راج گوپال آچاریہ“ نے بھی سیکولرزم کی بابت تقریباً انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

(۴) حکومت کے سیکولر ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ غیر مذہبی تو ہو مگر مذہب کی مخالف نہ ہو۔ اس نظریہ کے حامی لوگ عقل انسانی کے محدود ہونے اور معاشرتی احتیاج کے پیش نظر مذہبی اعتقاد و شعائر کے حامل تو ہوتے ہیں لیکن وہ مذہب کو حکومت پر اثر انداز نہیں ہونے دیتے بلکہ اس کو بالکلیہ لادینی دیکھنا چاہتے ہیں۔

(۵) پانچویں توجیہ نقل کرتے ہوئے مصنف سیکولرزم کے چہرے سے نقاب ہٹا کر اس کے اصول و مبادی، مزاج و مقاصد اور اس کے دعویداروں کی پوری تصویر اسی شق میں سمیٹ لیتا ہے اور کھل کر یہ کہتا ہے کہ سیکولرزم کے معنی ”لادینیت“ ہے اور اس کے حامی صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو خود کو روشن خیال تصور کرتے جہاں حکومت کو مذہب کے تئیں معاندانہ رویہ پر اکساتے ہیں وہیں اس کو تمام جھگڑوں کی بنیاد بتا کر ایک طرح کا ڈھکوسلہ قرار دیتے ہیں۔

یہ تو ”راجیو بھارگوا“ کے اپنے خیالات تھے جبکہ جامعہ ملیہ کے مشہور مؤرخ اور عظیم دانشور پروفیسر مجیب اپنی کتاب ”ہندوستانی سماج پر اسلامی نقوش“ میں سیکولرزم کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیکولرزم اس اعتقاد اور ایقان کو کہتے ہیں کہ ہم اپنی ساری توجہات اس مادی دنیا پر مرکوز کر دیں۔

یہاں پہنچ کر ہم ان چار امور کی قدرے وضاحت کرنا چاہتے ہیں جو سیکولرزم کے بنیادی اصول کہے جا سکتے ہیں جبکہ مندرجہ بالا توجیہات پر مقالہ کے دوسرے باب میں ہم تفصیل سے کلام کریں گے۔

دنیا پرستی و عقل پرستی

عیسائیت اپنے مزعومہ خیالات اور فرسودہ عقائد کی بنا پر عقل اور جدید علوم کی شدید دشمن ہے۔ کیونکہ عقل کو معیار تسلیم کر لینے کے بعد کلیسائی نظام کی پوری عمارت اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ زمین پر آگرتی ہے۔ اس لئے مسیحیت نے عقل کو مطعون و ملعون ٹھہرا کر ہر دور میں اسے محبوس کرنے کی انتھک کوشش کی ہے۔ جبکہ تحریک الحاد اس کی مخالف سمت کی پیروی کرتے ہوئے عقل کو اپنا امام قرار دیتی ہے۔ سیکولرزم جو مکمل غیر جانبداری کا دعویٰ کرتا ہے یہاں مذہب کی راہ چھوڑ کر الحاد کی پیروی کرتے ہوئے نہ صرف عقل کو اپنے سر کا تاج بنا رہا ہے بلکہ انسانی عقل کو عیوب و نقائص سے مبرا قرار دے کر حسن و قبح کا معیار بتاتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی عقل اتنی صلاحیت و لیاقت رکھتی ہے کہ وہ حقیقت کے ساتھ ساتھ کائنات کے تمام اسرار و رموز کا مکمل طور پر ادراک کر سکتی ہے اس کا بنیادی اصول ہے کہ انسانی توجہات کا مرکز اور اس کی محنت و لیاقت کی تماشہ گاہ صرف یہ دنیا ہونی چاہئے اور اس کی دنیاوی ترقی کے لئے تمام مادی وسائل کی افادیت و مضرت صرف عقل ہی سے جانی جا سکتی ہے۔

نیز وہ دلی طور پر اس بات کا بھی متمنی ہے کہ انسان اپنی صلاحیتیں اس دنیا پر نہ لگائے جس کے وجود کو سیکولرزم تسلیم نہیں کرتا۔ اگر کبھی بادل ناخواستہ اس کے وجود کو ماننے پر آمادہ ہوتا ہے تو وہاں بھی یہ تصریح کرنے سے باز نہیں رہتا کہ اس دنیا کا انسانی فلاح و بہبود اور اس کی خوشحالی سے کوئی تعلق نہیں تو اس طرح وہ انسانیت کو ظواہر کی پرستش کرنے اور لاشعوری طور پر امور غیبیہ کا انکار کرنے کی ترغیب دے رہا ہے۔ کیونکہ وہ صرف اس مشاہداتی دنیا پر نظر رکھتا ہے۔

اجتماعی معاملات ومعاشرہ کو لادینی بنانے کی کوشش

سیکولرزم دینی طبقہ کو مذہبی آزادی تو دیتا ہے۔ لیکن وہ اس آزادی کو دل کے نہاں خانوں اور عبادت گھروں کی چاردیواری کے اندر اندر ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ جہاں اس آزادی نے انفرادیت سے نکل کر اجتماعی معاشرہ میں قدم رکھا وہیں سیکولرزم کا مزاج برہم ہوجاتا ہے کیونکہ وہ انسانوں کو اخلاقی، سماجی اور معاشرتی طور پر لادینی بنانے کا آرزو مند ہے۔ اس لئے ہر دور میں اس کی یہ کوشش رہی ہے کہ مختلف مذاہب کے درمیان عقائد و اعمال کی ان تمام دیواروں کو توڑ دے جو ان کے حاملین کے درمیان امتیاز و تشخصات کے خطوط کھینچتی ہیں۔ نیز وہ ایسی طرز معاشرت مخصوص لباس اور ان تمام علامتوں کا بھی استحصال کرتا ہے جن کے ذریعہ ایک مذہبی فرقہ دوسرے فرقوں سے الگ اور ممتاز ہونا چاہتا ہے۔ سیکولرزم جہاں قوموں کی تشکیل عقائد سے ہٹ کر وطن کی بنیاد پر کرتا ہے وہیں ایک ملک میں رہنے والے تمام حاملین مذہب کو ایک دوسرے کے قومی تہواروں، تاریخی میلوں اور عباداتی رسوم میں شریک ہونے کی دعوت دے کر ملی جلی تہذیب اور مشترکہ ثقافت بنانے پر زور دیتا ہے۔

دین وسیاست کی تعریف

سیکولرزم کا تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ حکومت کو لادینی بنانے کے ساتھ ساتھ مذہب وسیاست کے درمیان ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جائے۔ اور دین کو پرائیویٹ زندگی میں محدود کر کے جہاں وہ حکومت کا بلا شرکت غیرے مالک ہو وہیں اسٹیٹ میں عوام کو ایسا معاشرہ بنانے پر بھی مجبور کر دے جس کا فرد انفرادی طور پر تو بھلے مذہبی ہی ہو لیکن اجتماعی اور معاشرتی طور پر اس قید و بند سے آزاد ہو کیونکہ وہ افراد کو حکومت میں محض وطن اور قوم کی بنیاد پر شریک کرتا ہے۔ مذہبی حیثیت سے انہیں کوئی حصہ نہیں دیتا۔ اس لئے وہ سرکاری اور حکومتی سطح پر مذہب پسندوں کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ وہ مذہب کو سیاست سے جدا کرنے کے ساتھ ساتھ اسے چند خوش عقیدہ لوگوں کا نجی معاملہ قرار دے کر سواعظ

حسنہ یا اخلاقی ضابطہ کے طور پر برداشت تو کرتا ہے لیکن اس کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ملک کے تمام مذہبی اشخاص چھپ چھپا کر خاموشی کے ساتھ پوجا پاٹ تو کر لیں لیکن جب عبادت خانوں سے باہر نکلیں تو مذہب کا چولہ اور دینی رنگ وہیں اتار دیں اور معاشرہ میں صرف ایک مذہب سے بے نیاز انسان کی طرح داخل ہوں۔

سیکولرزم مذہب کو ذاتی و انفرادی زندگی میں محدود کرنے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی تصریح کرتا ہے کہ عبادات کو چھوڑ کر بقیہ دنیاوی و سیاسی امور کا نہ صرف یہ کہ مذہب سے کوئی تعلق نہیں بلکہ انسان ان امور میں فطری طور پر بالکل آزاد ہے کہ وہ تجربات و عقل کی روشنی میں جیسا چاہے قانون بنائے۔ نیز طرز معاشرت، رہن سہن، عادات و اخلاق، اقتصادیات و معاش اور دیگر تمام امور میں مذہب سے الگ راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

لادینی طریقہ تعلیم

سیکولرزم کی تعریف کرتے ہوئے ہم "انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا" کے حوالے سے پیچھے نقل کر آئے کہ سیکولر تعلیم وہ طریقہ تربیت ہے جس سے تمام مذہبی عناصر اور روحانی اثرات کو علیحدہ کر دیا گیا ہو مظاہر فطرت، آثار کائنات اور واقعات و کوائف کا مطالعہ بے لاگ ہو کر کیا جائے اور محققانہ طور پر حقیقت کا متلاشی بن کر کائنات کے اندر چھپے ان تمام اسرار و رموز کا پتہ لگایا جائے جو اس مادی زندگی میں مفید ہو سکتے ہیں تو دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ انکشاف حقائق میں مذہبی رکاوٹ کو خارج کر دینے کا نام ہی سیکولر تعلیم ہے۔ اگرچہ معروضی طریقہ تعلیم بھی یہی ہے کہ تمام داخلی و خارجی اثرات سے آزاد ہو کر کائنات کا مطالعہ کیا جائے۔ لیکن یہ طریقہ ہر قسم کے اثرات کو علیحدہ کرنے کی بات کرتا ہے جبکہ سیکولرزم دیگر تمام اثرات کو تو گوشہ گلے لگاتا ہے لیکن مذہبی میلانات طریقہ تعلیم میں اسے ایک آنکھ نہیں بھاتے۔

سیکولرزم کے پس منظر، تعریف و تعارف اور اس کے اغراض و مقاصد پر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم مقالہ کے دوسرے باب میں قدم رکھتے ہیں جہاں پہنچ کر ہم جہاں سیکولرزم کا نہایت دیانتدارانہ تجزیہ کریں گے وہیں اس تحریک کے نقشہ اور اس کی مذکورہ توجیہات کا قرآن و سنت کی روشنی میں بھرپور جائزہ بھی لیں گے تاکہ مقالہ کے تیسرے باب میں ایک مناسب لائحہ عمل کی نشاندہی کرتے ہوئے سامعین کے ساتھ ہم اس جادہ پر گامزن ہو سکیں جو عقل و حکمت کی رو سے دوررس نتائج کا حامل اور نہایت مفید طریقہ کار ہے۔

سیکولرزم اسلام کے آئینہ میں

سیکولرزم اور اس کے بانی کی فکر پر مفصل روشنی ڈالنے کے بعد اب ہم اس مقام پر آ چکے ہیں جہاں ہمیں نہایت منصفانہ طریقہ پر اس کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ لینا ہے۔ ابھی تک ہم نے اس نظریے کو الگ زاویئے سے دیکھتے ہوئے جس انداز سے بحث کی تھی اس میں سیکولرزم کا مطالعہ کرتے وقت اسلام نظروں سے اوجھل رہا ہے اور ہماری یہ کوشش بھی رہی ہے کہ پہلے سامعین کو یکسوئی کے ساتھ ایک نظریے کو پڑھنے کا موقع دیں اور دونوں کی آمیزش کو حتی الامکان روکے رہیں۔ پھر مقالے کے دوسرے باب

مولانا سندھی اور شاہ ولی اللہ کی نظریاتی اور دینی و علمی کتب کا وہ مرکز جسکے آپ عرصے سے منتظر تھے

☎ 5874

مکتبۃ الجمعیۃ

امین بازار سرگودھا

جمعیۃ علماء اسلام، سپاہ صحابہؓ کے بیجز، کی رنگ، ڈائری، کیلنڈر، لٹریچر، سٹیکرز، ٹیلی فون انڈکس، پرس، بال پوائنٹ، جھنڈے، تصاویر مفتی محمود، مولانا فضل الرحمن نیز دستور تھوک پرچون دستیاب ہے۔

ہر قسم کی تقاریر کیسٹیں دستیاب ہیں نیز مدارس عربیہ کی رسید بکس، سٹکر، پمفلٹ، اشتہارات اور ہر قسم کی طباعت کا مرکز۔

مرزائیوں کے گمراہ کن عقائد کے بارے میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا لٹریچر مفت حاصل کریں

میں آکر سیکولرزم کی متعدد توجیہات پر قرآن وحدیث کی روشنی میں بے لاگ تبصرہ کریں۔ اس سے جہاں سامعین امتیازی عناصر کو منضبط کرتے جائیں گے۔ وہیں مقالے سے اس باب میں آکر ہمارے قدم سے قدم ملاکر چلیں گے اگرچہ یہ کوشش کہیں کہیں سسکتی بھی نظر آتی ہے۔ اب آیئے اس باب کا آغاز کرتے ہوئے سیکولرزم کی متعدد توجیہات کا اسلام کی روشنی میں علمی وتحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔ پھر لاکو مثل سے باب میں آکر ہم ان وجوہات پر بھی واضح انداز میں روشنی ڈالیں گے جن کی بنا پر ہم نے سیکولرزم سے ہندوستانی معاشرہ میں سمجھوتہ کرنا مفید سمجھا ہے۔

سیکولرزم کی توجیہات کا علمی و تحقیقی جائزہ۔

جہاں تک ،،راجیو بھارگوا،، کی پہلی دو توجیہات کا سوال ہے تو ہم ان کو یہ سوچ کر نظر انداز کرتے ہیں کہ اس نظریئے کی پوری تاریخ پر ایک گہری نگاہ ڈالنے کے بعد سامعین سیکولرزم کے اس تصور سے متفق نہیں ہوسکتے جو موصوف پہلی اور دوسری شق میں بیان کر رہے ہیں۔ رہی تیسری توجیہ۔ تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ حکومت اسٹیٹ میں ایسا ماحول پیدا کرے جو آپسی بھید بھاؤ۔ مساوات اور عوام کے درمیان ایک دوسرے کے مذہب کے بارے میں احترام ومحبت کے جذبات کو فروغ دے۔ اجتماعی ومعاشرتی طور پر مذہب کو جدا کر کے اسے انفرادی زندگی تک محدود کر دے اور بقول پروفیسر مجیب کے سیکولر اسٹیٹ کے تمام شہریوں کی یہ خصوصیت ہونی چاہئے کہ وہ اپنی ذاتی و پرائیویٹ زندگی میں چاہے مذہب کی کتنی ہی نمائش کرلیں لیکن انفرادیت سے تجاوز کر کے وہ معاشرہ میں اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے مذہب پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ حکومت کی ان کوششوں کا دیگر قوموں کی طرح مسلمان بھی مخاطب ہونگے۔ اور قانون کی رو سے وہ بھی دوسرے مذاہب کا مکمل احترام کرنے پر مجبور ہونگے۔ جبکہ اسلام ایک محدود دائرہ تک ہی اس احترام کی اجازت دیتا ہے جو حسن اخلاق کے زمرہ میں آئے۔

ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک۔ الآیۃ۔

وہ غیر مسلموں کے بارے میں نرم رویہ کی بھی تاکید کرتا ہے۔

فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یخشی۔

اور ان کے ساتھ سب وشتم کو ممنوع قرار دیتا ہے

ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ۔ الآیۃ۔

یہ تو اس کی اخلاقی ومعاملاتی رواداری کی ہدایتیں ہیں جبکہ وہ ابدی طور پر ہمیں ان امور کی تلقین کرتا ہے۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ الآیۃ۔

اور اہل ایمان کی یہ علامت بتاتا ہے۔

لا تجد قوما یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو کانوا اباءھم او ابناءھم او اخوانھم او عشیرتھم۔ الآیۃ۔

پھر ہمیں یہ حکم بھی دیتا ہے

یا ایھا الذین آمنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء۔ الآیۃ۔

جہاں تک چوتھی توجیہ کا سوال ہے تو اس عبارت سے یہ عبارت مترشح ہے کہ رعایا انفرادی واجتماعی طور پر مذہبی ہو یا غیر مذہبی اس سے کوئی بحث نہیں لیکن حکومت کو سیکولرزم ہر حال میں لادینی دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نظریئے کا فطری نتیجہ دین وسیاست کی تفریق ہے جس میں دین کو نظر انداز کر کے سیکولرزم سرکاری سطح پر منتخب افراد کو وضع قانون کا حق دیتا ہے حالانکہ یہ بات اسلامی نقطہ نظر سے صحیح نہیں کہی جاسکتی کیونکہ اسلام نہ کسی انسان کو قانون سازی کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی دوسرے انسانوں کا اس قانون کو ماننا وہ برداشت کرتا ہے۔ اس کے نزدیک قانون ساز صرف خداوند قدوس ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس قانون کے شارح وامین ہیں اور انسان محض اتباع کرنے والا ہے۔ وضع قانون اور اس کی شرح ووضاحت کا نہ اسے کوئی حق ہے اور نہ ہی وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سیکولرزم منتخب افراد پر مشتمل پارلیمنٹ کو وضع قانون کا حق دے کر اسلام کے اس بنیادی عقیدے پر ضرب لگا رہا ہے۔ اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اس نے دین وسیاست کی تفریق کا نظریہ قائم کیا ہے تاکہ مذہب کو دل کے نہاں خانوں اور عبادت گھروں کی چہار دیواری میں محدود کر کے جہاں معاشرہ سے اس کی ہوا اکھیڑ دے وہیں غیر مذہبی رجحانات کو فروغ دے کر دینی اشاعت کی راہیں بھی مسدود کر دے۔ دوسرے مذاہب محدود زندگی سے مطمئن ہو کر دین وسیاست کی تفریق کو قبول کریں تو کریں لیکن جہاں تک اسلام کا سوال ہے وہ اپنے مکمل نظام حیات اور جامع فکر رکھنے کی بنا پر اس نظریہ کو ہمیشہ کے لئے قبول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ جہاں وہ انفرادی اور ذاتی زندگی میں اپنی گرفت مضبوط چاہتا ہے وہیں معاشرہ میں پوری طرح حاوی ہو کر دینی حکومت اور خلافت کی راہیں ہموار کرتا ہے۔ وہ حکومت ودین کو جڑواں بھائی قرار دے کر مکمل طور پر یہ صراحت کرتا ہے کہ اسلام عقائد واعمال کی ایک عمارت ہے جس کا خلیفہ نگہبان ہے۔ اسلام بنیاد ہے اور خلافت اسلامیہ اس کی پہرہ دار ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ ڈھ جاتی ہے۔ جس چمن کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ ممکن نہیں کہ خلافت وحکومت کو نظر انداز کر کے اسلام کو مکمل قرار دیا جائے۔

الاسلام والسلطان اخوان توأمان لا یصلح واحد منھما الا لصاحبہ فالاسلام رأس والسلطان حارس۔ وما لا رأس لہ یھدم وما لا حارس لہ ضائع۔

عہد گذشتہ کی پوری تاریخ کا جائزہ لیجئے اور برباد شدہ قوموں کی ہلاکت پر غور کیجئے تو آپ بھی اس حقیقت کو تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکیں گے کہ انسانوں نے ہر ہر دور میں اپنے فرماں رواؤں سے متاثر ہو کر انہی کے عادات واخلاق۔ افکار ونظریات اور انہی کے عقائد وشعائر کو اخذ کرنے کی پوری پوری کوشش

کی ہے۔ تو اس طرح ان کی بربادی میں جہاں بہت سے انفرادی بیماریاں کارفرما ہیں وہیں ان کے قائدین نے غلط کردار پیش کرکے ان کی تباہی میں اہم رول ادا کیا ہے۔

النّاس علیٰ دین ملوکہم

کیونکہ حکومت وسلطنت ہی وہ ذریعہ ہے جو کسی نظام کو باقی رکھنے، اسے پھلنے پھولنے اور اس کی اشاعت وہدایت کے اسباب فراہم کرتا ہے۔ اسلام اگر اس سے دست بردار ہو جائے تو اس کے قوانین کا وہ حصہ معاشرہ میں کس طرح نافذ ہوگا جو دیوانی، فوجداری اور دیگر اہم معاملات پر مشتمل ہے۔ اسی حکمت کے پیش نظر وہ محض ترغیب وترہیب پہ بس نہیں کرتا بلکہ اپنی پوری طاقت معاشرہ سے ان تمام جرائم وعناصر کو مٹانے کے لئے جھونک دیتا ہے جو اس سے اصولی اختلاف کرتے ہوں۔

پانچویں توجیہ میں ''راجیو بھارگوا'' کا دعویٰ ہے کہ سیکولرزم کے معنی الحاد ولادینیت ہیں۔ پروفیسر مجیب اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ اپنی تمام تر توجہات اور صلاحیتیں اس مادی دنیا پر مرکوز کرنے اسے سجانے اور سنوارنے کا نام ہی سیکولرزم ہے۔ اب وہ شخص جس کو خدا نے فراست ایمانی، بصیرت روحانی اور شرح صدر کی دولت سے نوازا ہے جو اسلامی موقف کے مطابق اس دنیا کو سائے کی طرح ایک عارضی اور محدود زندگی سمجھ کر آخرت ہی کو اپنا نصب العین بناتا ہے کیا سیکولرزم کے کہنے سے اخروی زندگی سے منہ موڑ کر اس دنیا پر اپنی صلاحیتیں کھپا دے گا جو اس کے پروردگار کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ ایک خدا ترس انسان جو دنیا کو مزرعۃ الآخرۃ سمجھتا ہے ایسی بھیانک غلطی کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسلام اسے ایسا کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ ایسا تو وہی لوگ کر سکتے ہیں جو آخرت کو فراموش کرکے دنیا ہی کو اپنا مقصد بنا چکے ہوں۔

سیکولرزم کی اسی غلط روش کو محسوس کرکے ''راجیو بھارگوا'' کے دل میں بھی اس کے تئیں نفرت وحقارت کے جذبات امنڈ آئے اور وہ بغیر کسی تکلف کے یہ کہہ گذرے کہ اس نظریہ کے حامی اکثر وبیشتر وہی لوگ ہوتے ہیں جو روشن خیالی کے دھوکے میں جہاں مذہب کو ایک ڈھکوسلہ قرار دیتے ہیں وہیں حکومتی سطح پر اس کے تئیں معاندانہ رویہ اپناتے ہوئے اسے حکومت سے الگ رکھنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

اس توجیہ میں کتنی صداقت اور کہاں تک جذباتیت کارفرما ہے اس پر بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہم تو اس نظریہ کے اصول سامنے رکھ کر اسی نتیجہ پہ پہنچے ہیں کہ یہاں ''راجیو بھارگوا'' کا قلم حقیقت سے تجاوز کر گیا ہے۔

مسلمانان ہند کے لئے ایک مناسب لائحہ عمل۔

سیکولرزم کی متعدد توجیہات کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ لینے اور اسلامی نقطہ نظر سے ان کا حکم بیان کرنے کے بعد اب ہم اس سبب کو بھی بیان کرنا چاہتے ہیں جس کی بنا پر ہم ہندوستان میں ایک وقت مقررہ تک سیکولر حکومت کے قیام کی حمایت کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ بات فقط اتنی ہی ہوتی جتنی ''راجیو بھارگوا'' نے پانچویں توجیہ میں بیان کی ہے تو ہم تمام مصلحتوں کو نظر انداز کرکے سیکولرزم کی تئیں مخالفانہ رویہ اپناتے کیونکہ اس توجیہ کی رو سے وہ بلا تحریک الحاد کی ایک ذیلی تحریک قرار پاتا ہے، جبکہ ہمارے نزدیک حقیقت یہ نہیں جو ''راجیو بھارگوا'' نے اپنے مضمون کی آخری توجیہ میں بیان کی ہے۔ کیونکہ ہندوستان کا سیکولر دستور نہ صرف یہ کہ مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کرتا بلکہ مندرجہ ذیل دفعہ کے ذریعہ ملک کے تمام مذاہب کو تبلیغ واشاعت کی پوری آزادی دیتا ہے۔

''تمام اشخاص کو آزادی ضمیر اور آزادی مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے۔ بشرطیکہ امن عامہ، اخلاق عامہ، صحت عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیحات متاثر نہ ہوں۔''

ہندوستان کیونکہ بہت سے مذاہب اور بے شمار قوموں سے عبارت ہے اس لئے یہاں کی تمام قوموں کے جذبات واحساسات کا لحاظ رکھتے ہوئے حکومت ایسی غیر جانبدارانہ ہونا چاہئے جو کسی ایک مذہب کی وکالت کے بجائے تمام مذاہب کی اشاعت وحفاظت کی راہیں ہموار کرتا ہو۔ مختلف مذاہب کو مساوی حق دینے اور ملک کے تمام باشندوں کو بلا تفریق مذہب وملت یکساں مواقع فراہم کرنے کا نام ہی ہندوستان میں سیکولرزم ہے۔ ''وی آر گوپال آچاریہ'' اور ''راجیو بھارگوا'' نے بھی تیسری توجیہ میں یہی معنی بیان کئے ہیں اور آزاد ہندوستان کی معتدل شخصیتیں بھی سیکولرزم کی بابت انہی خیالات کا اظہار کر رہی ہیں۔

اس طرح قانونی رو سے جہاں ہمارا پرسنل لا ایک حد تک محفوظ قرار دیا جا سکتا ہے وہیں دستور ہند کے تحت ہمیں اس بات کا بھی پورا حق پہنچتا ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کی اشاعت، دینی عبادات وشعائر کا اہتمام اور قصر اسلام کی تعمیر میں جی جان سے جٹ جائیں۔ نیز دلیل وحجت کے ذریعہ اسلام کو تمام ادیان سے عظیم ثابت کر دیں۔ لائحہ عمل کے باب میں ہمیں انہی خطوط کو طے کرنا، انہی امور پر غور کرنا اور انہی نکات کو سمجھنا ہے جن پر ہماری ہی نہیں آئندہ آنے والی تمام نسلوں کی کامیابی وناکامی کا دارومدار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کمزوریوں کی بھی نشاندہی کرنی ہے جنہوں نے عرصۂ دراز سے صلاحیتوں کو مفلوج کرکے ہماری ترقی کی راہیں مسدود کر رکھی ہیں۔

جہاں تک میں سمجھتا ہوں موجودہ دور میں ہماری سب سے مہلک بیماریاں دو ہی ہیں۔ ایک اتحاد کا فقدان، دوسری تعلیم میں حد درجہ پسماندگی۔ یہی وہ کمزوریاں ہیں جو کسی بھی قوم کو اوج ثریا سے گرا کر تحت الثریٰ میں دھکیل دیتی ہیں۔ ہم جہاں بھی دنیا کی تاریخ میں جو قومیں بھی تباہی وبربادی کے گڑھوں کی جانب تیز تیز قدموں سے بھاگتی نظر آتی ہیں ان میں دیگر خرابیوں سے علاوہ یہ دونوں بیماریاں بھی بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ جنہوں نے نہ صرف یہ کہ انہیں قیادت سے محروم کر دیا بلکہ بحیثیت قوم ہمیشہ کے لئے انہیں دنیا کے پردے سے ہٹا دیا۔ ماضی کی طرح آج بھی مسلمانوں کے اکثر وبیشتر مسائل انہیں دو خرابیوں کی پیداوار ہیں۔ اور انہی نقصانات سے بچانے کے لئے قرآن

کریم نے اتحاد و یکجہتی پر زور دے کر تفرقہ بازی کی سخت مذمت کی ہے۔

واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا۔ الآیۃ۔

اور وہ تمام مسلمانوں کو حقیقی بھائیوں کی طرح مل جل کر رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

انما المؤمنون اخوۃ۔ (الآیۃ)

اہل اسلام کو باہم نرم اور غیروں سے بالمقابل گرم دیکھنا چاہتا ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم (الآیۃ)

تفرقہ کے نقصانات کو اجاگر کر کے جہاں اس کی راہوں کو مسدود کرتا ہے وہیں امت کو ایک مرکز پر جمع ہونے اور اپنی صفوں میں کامل اتحاد کی تاکید کرتا ہے۔

یاایہا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و رسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذہب ریحکم (الآیۃ)

مسلمانوں کی عہد گذشتہ کی تاریخ بھی اسکی شہادت دیتی ہے کہ جہاں وہ قدم سے قدم ملا کر چلے۔ باہمی تعاون، میل و مروت اور اتحاد و یکجہتی کو اپنا شعار بنایا وہیں کامیابی نے بڑھ کر ان کے قدم چوم لئے۔ اور نہ صرف یہ کہ وہ مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ بلکہ ایشیا، افریقہ، اور یورپ کی تمام قومیں ان کا راستہ چھوڑ کر الگ کھڑی ہو گئیں۔ انسانی تاریخ کے تمام کھنڈرات آج بھی مسلمانوں کی اس عظمت رفتہ کی گواہی دیتے ہیں۔ لیکن جہاں وہ اجتماعیت سے دستبردار ہو کر انفرادیت کا شکار ہوئے۔ اتحاد و یکجہتی کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ان کے درمیان تفرقہ کی آہنی دیواریں کھڑی ہو گئیں وہیں ان کے وقار اور دبدبہ کو نہ صرف سخت دھچکا لگا بلکہ اس نازک موقع سے فائدہ اٹھا کر دشمن بھوکے شیر کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اور آن کی آن میں ان کی سلطنت و بادشاہی کو تہہ و بالا کر ڈالا۔ ماضی میں اسپین اور دور حاضر کی تمام مسلم حکومتیں اس سلسلہ کی زندہ مثالیں ہیں۔ اس لئے آج سے ان خطرناک حالات میں ماضی کے تلخ تجربوں سے درس عبرت حاصل کرتے ہوئے ہمارے لئے یہ امر ناگزیر ہو گیا ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے اختلافات کی خلیج کو پاٹ کر اپنی صفوں میں کامل اتحاد پیدا کریں۔ صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے انفرادی خواہشات کو کچل دیں۔ اور ملت کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر اپنے حقوق کو حاصل کرنے کے لئے مل جل کر مجاہدہ کریں نیز حالات کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے ہمیں ان تمام آپسی عداوتوں، چپقلش اور فروعی اختلافات کو بھی مٹا دینا ہوگا۔ جنہوں نے زمانہ دراز سے مسلمانان ہند کے درمیان اجنبیت و غیریت کی بلند دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں۔ یہ وقت کا اہم ترین تقاضا ہے جسے مسلمانوں کو ہر حال میں پورا کرنا ہے۔

دوسری ہلاکت خیز بیماری تعلیم میں حد درجہ پسماندگی ہے جو مسلمانوں کے اندر زہر کی طرح سرایت کر چکی ہے۔ ان کی ایک بڑی اکثریت آج بھی دینی و دنیاوی علوم سے ایسے ہی نا آشنا ہے جیسے کہ شہری تہذیب و تمدن سے دور قبائلی خاندان ہوا کرتے ہیں۔ پھر ان کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی حالت بھی کچھ زیادہ قابل اطمینان نہیں۔ وہ یونیورسٹیوں اور کالجوں میں عصری علوم سے تو ایک حد تک واقف ہو گیا لیکن اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت و قیامت سے اتنا ہی ناواقف رہا جتنا کہ ایک غیر مسلم ہو سکتا ہے۔ جبکہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو حاملین شریعت ہونے اور دینی قیادت کا دعویدار رہا ہے وہ مدارس اسلامیہ میں بخاری، مسلم، جلالین، اور ہدایہ جیسی معرکۃ الآراء کتابوں میں تو مہارت تامہ حاصل کر چکا ہے لیکن اس کے اکثر افراد عصری علوم و زبان سے بڑی حد تک نا آشنا ہیں۔ جس قوم نے افریقہ و ایشیا میں علم و حکمت کے چراغ جلائے تھے۔ یورپ میں صنعت و حرفت کی قندیلیں روشن کیں تھیں۔ جس نے ابن خلدون، رازی اور ابن سینا جیسے عظیم سائنس دانوں کو جنم دیا تھا اور جو پوری دنیا میں علوم کی واحد امین تھی آج علمی و فکری حیثیت سے اتنی کنگال ہو چکی ہے کہ اس کا شمار دنیا کی پسماندہ قوموں میں کیا جا رہا ہے۔

ملت کے ان دونوں حلقوں کی کوتاہیوں اور تنگ نظریوں کو دیکھتے ہوئے بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں کہ قائدین ملت نہ صرف یہ کہ وسعت نظری سے کنارہ کش رہے بلکہ آج تک دور حاضر کے تقاضوں اور زمانہ کی نبض کو نہ سمجھ سکے۔ اس لئے اب وقت آچکا ہے کہ مسلمانان ہند طویل نیند اور مدہوشی سے بیدار ہوں اور دونوں طبقے اپنی اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہوئے مل جل کر ایسا لائحہ تعلیم مرتب کریں جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف یہ کہ وہ اپنے ماتھے سے تعلیمی پسماندگی کا داغ مٹا سکیں بلکہ اس میدان میں دوڑتی قوموں کو پیچھے چھوڑ دیں۔

دینی مدارس اور اسلامی اداروں کے ذمہ داروں کو موجودہ دور کے تقاضوں کو دیکھتے ہوئے اپنے اس قدیم طرز عمل اور مروجہ نصاب تعلیم پر نظر ثانی کر کے وہ تمام خامیاں دور کرنی چاہئیں جن کی وجہ سے ہمارے علماء عصری علوم سے دور رہے ہیں نیز مدارس اسلامیہ میں جہاں تفسیر و حدیث اور فقہ جیسے دینی علوم کو پڑھایا جائے وہیں اسلام کی روشنی میں عصری علوم رائج الوقت زبانوں اور سائنس کی ایک حد تک تعلیم دینا بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس سے جہاں علماء کی خود اعتمادی میں اضافہ ہوگا وہیں جب وہ مدارس کے پرسکون ماحول سے نکل کر معاشرے کی متحرک فضاء میں داخل ہوں گے تو اس میں اپنے آپ کو اجنبی محسوس نہیں کریں گے بلکہ نہایت بے باکی کیساتھ جاہلیت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کریں گے اور ان کا طرز عمل ان روایتی دینداروں سے قطعاً مختلف ہوگا جو اپنی دینداری کے خول میں رہ کر معاشرہ سے الگ تھلگ گوشوں میں چھپنے کی کوشش کرتے ہیں (دینی مدارس کی اصلاح کے ساتھ ساتھ ہمیں مختلف مسلم کالجز اور عصری علوم کی بے شمار درسگاہیں قائم کر کے ان میں ایسا نصاب جاری کرنا ہے جو عصری اور سائنسی علوم کو سمیٹنے کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کے معارف اور علوم نبوت کی روح سے پوری طرح سرشار ہو۔ مسلمانوں کے تعلیم میں پیچھے رہنے اور ان کی پسماندگی کے جہاں بہت سے اسباب ہیں وہیں یہ سبب بھی کچھ کم نہیں کہ وہ ہندوستان کی دوسری بڑی اکثریت ہونے کے باوجود بھی آج تک منظم طور سے ایسی تعلیمی منصوبہ بندی نہ کر سکے جو ان کی جہالت و غباوت کو دور کرنے کا باعث بنتی۔ جبکہ ہمارے ملک کی بہت

چھوٹی اقلیت عیسائیت نے حیرت انگیز طور پر پورے ملک میں اپنے تعلیمی مشن کا جال پھیلا رکھا ہے اور ہماری صورتحال یہ ہے کہ اسلامی کالج نہ ہونے کے باعث جہاں بہت سے مسلم طلبہ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں وہیں ہمارے ذہین طلبہ ان کالجوں میں اپنا مستقبل تاریک بنا کر لوٹتے ہیں جہاں ان کی حوصلہ شکنی کے پورے اسباب فراہم ہیں۔ اپنی ان کوتاہیوں کی بنا پر ہم تعلیم میں اتنے پیچھے رہ گئے کہ ملک کے مشہور صحافی "کلدیپ نیئر" کو یہ کہنے کی جرأت ہو سکی کہ مسلمان تعلیمی میدان میں ہندوؤں سے دو سو سال پیچھے ہیں۔

اگر ہمارے اندر کچھ بھی غیرت ہے تو وہ کلدیپ نیئر کے اس ریمارک کا جواب دینے کے لئے کمر کس لیں اور جہالت کے خلاف اتنا مجاہدہ کریں کہ مسلم معاشرہ میں پھر کبھی اس کی پرچھائیں بھی نظر نہ آئے۔

ان حقائق کے علاوہ ہمیں اس نکتہ کو بھی سمجھنا ہے کہ ملت کی پسماندگی میں جہاں تفرقہ بازی، جہالت، دنیاوی اور اقتصادی بحران کارفرما ہے وہیں آزاد خیالی، بے راہ روی اور دین سے صد درجہ دوری نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہی بیماریوں کی بدولت امت مسلسل ایک نازک دور سے گذر رہی ہے۔ مغربی افکار سے نوجوانوں کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ مسلم معاشرہ میں ایک افراتفری، بے چینی اور عجیب مایوسی کا عالم ہے۔ بزم اقوام میں ہم سمندر کے جھاگ کی طرح بے وزن ہو چکے ہیں۔ قومیں ہمیں لقمۂ تر کی طرح نگل جانا چاہتی ہیں۔ اور وہ ہماری غیرت و حمیت کو للکار کر اس طرح ہم پر ٹوٹ پڑ رہی ہیں جس طرح بھوکے دسترخوان پر جا گرتے ہیں اسی حالت کی منظر کشی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی کی تھی۔

"عن ثوبانؓ قال قال رسول اللّٰہ یوشك الامم ان تداعی علیکم کما تداعی الاکلۃ الٰی قصعتہا فقال قائل ومن قلۃ یومئذ نحن قال بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللّٰہ من صدور عدوکم المہابۃ ولیقذفن اللّٰہ فی قلوبکم الوھن فقال قائل یارسول اللّٰہ وما الوھن قال حب الدنیا وکراھیۃ الموت۔ (رواہ ابوداؤد)

یہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت ہی تو ہے جس کی وجہ سے دور حاضر کے مسلمان صحابہؓ کے کردار و عمل قرآنی فکر و شعور اور نبوی مزاج سے دستبردار ہو کر قرن اول سے پوری طرح کٹ چکے ہیں۔ وہ دیگر قوموں کی طرح کھانے پینے اور آرام و آسائش کا سامان جمع کرتے کرتے یہ بھول ہی گئے کہ حاملین شریعت ہونے کی بناء پر قرآن و سنت کی رو سے ہم پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ لائحۂ عمل کے باب میں آکر اس طرف بھی خصوصی توجہ دینی ہے کہ جہاں مسلمانوں کے کردار و عمل کی تعمیر، اعتماد و یقین کی تخم ریزی اور ان کی مکمل اسلامی ذہن سازی کی جائے وہیں ان کا رشتہ اسلام سے جوڑ کر عظیم ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے اور ہماری پوری یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ہم معاشرہ کو اتنا دیندار بنا دیں کہ اس کے ہر فرد کے وجود سے یہ خاموش صدا آ رہی ہو۔

انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العٰلمین۔

اگر ہم نے ان بنیادوں پر اس کی عمارت اٹھا دی اور معاشرہ کو پورے طور پر اسلامی سانچے میں ڈھال دیا تو نہ کوئی باطل نظریہ ہمیں مرعوب کر سکے گا۔ نہ کوئی قوم ہمارے تشخص پر شب خون مارے گی اور نہ ہی دنیا کی کوئی طاقت ہماری قیادت سے دستبردار کر سکے گی۔

وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

اپنی ان بیماریوں کو دور کرنے، ملت کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے، عصری علوم حاصل کرنے اور دین کو مضبوطی سے پکڑنے کے بعد ہمیں پھر اسی ذمہ داری کی جانب پلٹنا ہے جو آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حاملین قرآن و سنت ہونے کی بنا پر ہمارے کاندھوں پر ڈالی تھی۔ یعنی تبلیغ و دعوت۔

دوسری ذمہ داریوں کی طرح یہ بھی وہ مظلوم فریضہ ہے جسے ہم نے ایک دائرہ میں محدود کر کے عرصۂ دراز سے اس کے ہمہ گیر پہلوؤں کو نظرانداز کر رکھا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں ایک ہزار سال سے بسنے کے باوجود ہم اپنے طاقتور پیغام، محکم تعلیمات اور عہد آفریں دعوت سے اس قوم کو بھی واقف نہ کرا سکے جو سینکڑوں سال سے ہمارے پڑوس میں رہتی ہے۔

کل قیامت میں اگر یہی قوم ہم پر دعویٰ کر دے کہ اے خدا یہ لوگ برسہا برس تک ہمارے پڑوس میں رہے لیکن تیرے اس پیغام کو ہم تک نہ پہنچا سکے جو بطور امانت تو نے انہیں سونپ رکھا تھا تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

اس لئے نبوت کی اس امانت کو دوسری قوموں تک پہنچانے اور خداوند قدوس کی پکڑ سے بچنے کے لئے منظم طور پر مقامی زبان میں معروضی لٹریچر پیش کیا جانا وقت کی ایسی ضرورت بن چکا ہے جس کے بغیر اسلام کا تعارف کرانا اور ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ناممکن ہے جو عرصۂ دراز سے برادران وطن کے درمیان چلی آ رہی ہیں۔

دعوت کے اسی مرحلہ عبور کرنے کے لئے ہم نے سیکولرزم سے ایک وقت مقررہ تک سمجھوتہ کیا ہے تاکہ مذہبی آزادی کی دفعات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم معاشرہ کو مکمل طور سے اسلامی بنیادوں پر قائم کر دیں۔ اس لئے ان حکمتوں کے پیش نظر ہمیں نہایت تیزی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کی جانب پیش رفت کرنی چاہیئے اور جہاں اپنی کمزوری اور کوتاہیوں کو دور کر کے معاشرہ کی اصلاح کرتے ہوئے ہم ان تینوں امور پر عمل پیرا ہوں وہیں ملت کے ہر ہر فرد کے دل و دماغ میں یہ بات پوری قوت سے اتار دیں کہ اتحاد، تعلیم اور تبلیغ و دعوت ہی وہ شہپر ہیں جن سے فلاح و ترقی کا شاہین پرواز کرتا ہے۔

سینہ ہے کہ گنجینۂ اسرار خدا ہے
رخسار پہ والشمس کی پرنور فضا ہے
انداز تخاطب میں محبت کی ادا ہے
وہ شان نبیؐ ہے کہ نعت بھی خدا ہے

قافلۂ سالار آزادی

فخر الاسلام مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جو اپنے اکابر و اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے

جن لوگوں سے بارہا تعلق دین کی کوئی بڑی خدمت لیتے ہیں، ان حضرات کی زندگی بھی بظاہر سادہ ہونے کے باوجود ہزاروں جمال و رعنائیوں کا مظہر ہوا کرتی ہے یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جسے ہر اہل نظر محسوس کرتا ہے، تاریخ نے ہر قوم کے لوگوں کو محفوظ کیا ہے لیکن جو رعنائی دین کے ان جاں نثاروں کے حصہ میں آئی ہے وہ کسی دوسرے کا حصہ نہیں، یہ انہی کی زندگیوں کا ثمرہ ہے کہ انسانی زندگی برابر ارتقائی منزلیں طے کرتی رہتی ہے اور اپنے لئے صراط مستقیم محسوس صورت حال میں پاتی رہتی ہے، بس اسی مناسبت سے حضرت الاستاذ کی حیات طیبہ کے چیدہ واقعات ہلکے سے تسلسل کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں۔

مبیں حقیر گدایان قوم را کیں قوم
شہان بے کمر و تاجدار بے کلہ اند

ولادت اور ابتدائی تعلیم

اجمیر پیدا ہوئے، ولادت کے بعد جد امجد جناب منشی سید عبدالکریم صاحب سجادہ نشین درگاہ اجمیر کے پاس لے گئے اور خصوصی دعا کرائی جب عمر چار سال کی ہوگئی تو ابتدائی تعلیم شروع کر دی گئی، قاعدہ اور قرآن کریم والدہ محترمہ ہی سے پڑھا اور اردو و فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی گھر کے افراد ہی سے حاصل کی پھر فارسی کی پانچ اونچی کتابیں مولانا مظفر حسین صاحب سے پڑھیں جن میں امیر خسرو کی ہشت و بہشت بھی شامل ہے۔

گیارہ سال کی عمر میں فارسی کی مکمل تعلیم سے فراغت حاصل ہوگئی تو عمر کے بارھویں سال ایک خاندانی عالم مولانا خالد صاحب سے عربی شروع فرما دی۔ مولانا خالد کانپور تشریف لے گئے تو خاندان کے دوسرے بزرگوں سے پڑھتے رہے۔ اسی اثنا میں والد مرحوم کو خیال ہوا کہ قدیم مدرسہ کا احیاء کر دیا جائے چنانچہ چند ہمدردوں کے مشورہ سے انہوں نے از سر نو بنام "برکات الاسلام" مدرسہ کی بنیاد ڈالی۔

حسن اتفاق سے انہی دنوں استاذ وقت جناب مولانا عبدالحق صاحب لاہوری ہاپوڑ تشریف لائے اور والد مرحوم کے کہنے پر انہوں نے مدرسہ میں قیام منظور فرمایا۔ مولانا لاہوری طالب علم کو کتابیں زبانی یاد کراتے تھے اور عشاء کے بعد صف بندی فرما کر شاگردوں سے کتابیں سنتے تھے، حضرت الاستاذ کے اس وقت کے ہم سبق مولانا عبدالماجد اور مولانا فخر الحق تھے اس کے بعد مدرسہ کو باقاعدہ ترقی دی گئی اور مولانا محمد گل صاحب خوش آبادی کو بلایا گیا، مولانا محمد علی صاحب صدرا، شمس بازغہ اور بخاری شریف کا درس بلا تکلف دیتے تھے۔

تعلیم کیلئے رحلت

والد مرحوم نے اس نظریہ کے ماتحت کہ گھر پر خانگی امور میں الجھنے کے باعث تعلیم میں خلل پیدا ہوتا ہے حضرت الاستاذ کو حصول علم کے لئے گلاؤٹھی ضلع بلند شہر جانے کا حکم دیا جہاں استاذ وقت جناب مولانا ماجد علی صاحب جونپوری صدر مدرس تھے اور مولانا محی الدین صاحب مہتمم۔ حضرت استاذ نے اس مدرسہ کے قیام کے دوران شرح جامی بحث فعل، مختصر المعانی، ہدیہ سعیدیہ، میبذی وغیرہ مولانا عبدالماجد سے پڑھیں اور کنز الدقائق مولانا محی الدین صاحب سے اور مولانا کریم بخش صاحب اس وقت فن ہیئت، اقلیدس، ریاضی کے امام سمجھے جاتے تھے کچھ دنوں بعد جب مولانا ماجد علی صاحب مدرسہ حسین بخش دہلی تشریف لائے تو حضرت الاستاذ بھی ان کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اس وقت حضرت استاذ نے مولانا سے ملا حسن، بحر العلوم، شرح عقائد نسفی، خیالی، ترمذی پڑھی ہیں تقریباً ایک سال قیام کے بعد مولانا ماجد علی صاحب مدرسہ فتحپوری میں منتقل ہوگئے تو حضرت الاستاذ بھی ان کے ہمراہ فتحپوری چلے گئے۔

دار العلوم میں تشریف آوری

اسی زبوں حالی کے ایام میں حضرت کے ماموں جناب سید اسماعیل صاحب نے سرپرستی فرمائی اور تعلیم کے لئے دیوبند بھیجنا مناسب سمجھا۔ حسن اتفاق سے انہیں دنوں حکیم اسحاق صاحب کٹھوری جو حضرت کے گھرانہ سے مخصوص تعلق رکھتے تھے تشریف لائے اور دیوبند آنے کا مشورہ دیا لیکن خود حضرت الاستاذ یہاں آنے کے لئے اس لئے تیار نہ تھے کہ حضرت کے اپنے علم کے مطابق یہاں معقولات سے دلچسپی کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اور خود حضرت الاستاذ کا مذاق متعدد اساتذہ کی تربیت کے باعث یکسر معقولی تھا لیکن حضرت الاستاذ نے خود تشریف لا کر اس کی تحقیق فرمائی اور حضرت شیخ الہند کے درس بیضاوی، ابوداؤد میں بیٹھ کر اندازہ لگا کہ دیوبند کے علماء معقولات پر کس طرح حاوی ہیں۔ بالآخر ———— انیس سال کی عمر میں حضرت الاستاذ دار العلوم دیوبند میں داخل ہو گئے حضرت الاستاذ نے اول اول احاطہ مولسری میں کنویں کی داہنی جانب واقع کمرہ میں قیام فرمایا اور امتحان کے لئے ہدایہ اولین، جلالین اور مشکوٰۃ وغیرہ کا نام لکھوا دیا امتحان کے لئے حضرت الاستاذ کو عصر کی اذان سے آدھ گھنٹہ قبل کا وقت دیا گیا۔ حضرت الاستاذ وقت مقررہ پر تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہند پہلے طالب علم کو مانوس فرماتے پھر امتحان لیتے تھے چنانچہ اس طرز عمل کے بعد حضرت شیخ الہند نے مشکوٰۃ کھول کر ابواب و تراجم سے پوچھنا شروع کیا حضرت الاستاذ نے ترجمہ و مطلب بیان فرمایا۔ حضرت شیخ الہند نے اعتراض فرمایا تو حضرت الاستاذ نے اس کا جواب دیا۔ حضرت شیخ الہند نے پھر نقد فرمایا تو حضرت الاستاذ اس کا جواب نہ دے سکے پھر ہدایہ کا امتحان لیا اور فرمایا کہ معقول کی کوئی کتاب نہیں پڑھی؟ حضرت نے فرمایا جس کتاب میں چاہیں امتحان لے سکتے ہیں۔ نماز کا وقت قریب آگیا تھا حضرت مسجد میں تشریف لے گئے دیوان جی اللہ دیئے جو اس وقت طلبہ کے نام لکھا کرتے تھے۔ نمبر نہ دیکھ کر متعجب ہوئے اور راستہ ہی میں حضرت سے پوچھا کہ نمبر نہیں لگائے حضرت نے فرمایا کہ "انعامی نمبر" ہیں۔

حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ نے امتحان کے بعد مشورہ دیا کہ تم دورۂ حدیث دو سال میں پڑھو چنانچہ حضرت الاستاذ نے

دورہ کی کتابیں دو سال میں پڑھیں اور یہ سال حدیث کی کتابوں کے ساتھ فنون کی متعدد کتابیں بھی پڑھتے رہے مثلاً دونوں سالوں میں ہدایہ اخیرین، بیضاوی شریف، جلالین، توضیح، حسامی، عروض المفتاح، دیوان متنبی، حماسہ، تفسیر مدارک اور در مختار کا کچھ حصہ، دونوں سالوں کے امتحانات میں حضرت الاستاذ نے سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے دوسرے سال خصوصی انعام کے طور پر زوجہ مشفیع احمد ڈپٹی کلکٹر مظفر نگر کی طرف سے ایک عمدہ گھوڑی بھی دی گئی، ایام طالب علمی میں ایک خاص بات یہ تھی کہ حضرت الاستاذ نے اونچی اونچی کتابوں کا درس بھی دیا جن میں حمد اللہ، جواہر غالیہ فی الحکمۃ المتعالیہ، ملا جلال، ملا حسن اور شرح وقایہ وغیرہ شامل ہیں اسی دور تعلیم میں متعدد بار دوسرے اساتذہ وطلبہ سے نوک جھونک رہی تو قدرت نے ہر میدان میں حضرت ہی کو کامیابی عطا فرمائی۔

دور تدریس

دار العلوم سے فراغت کے بعد صدر مہتمم صاحب علیہ الرحمۃ حضرت الاستاذ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم نے دار العلوم کے مروجہ نظام کو ایک کالج کا درجہ دیکر دوسرا ایک اسکول کا درجہ قائم کیا ہے جس میں تین مدرس ہیں ایک آپ دوسرے مولانا احمد امین امروہی اور تیسرے مولانا نبیہ حسن دیوبندی اور اس درجہ کا صدر مدرس آپ کو بنایا گیا ہے مشاہرہ پندرہ روپیہ ماہوار تھا۔ حضرت نے تین ماہ کی تنخواہ لی اور پھر للہ خدمت انجام دی اس وقت حضرت الاستاذ نے شرح جامی، کنز الدقائق اور نفحۃ الیمن کا درس دیا جو اس درجہ کی اعلیٰ کتابیں تھیں۔

جب دار العلوم کی زندگی کا یہ تیسرا سال ختم ہو گیا تو حضرت الاستاذ کا باقاعدہ تقرر کر دیا گیا اس وقت شاہی کے صدر مدرس مولانا محمود الحسن سہسوانی تھے حضرت الاستاذ کی متعلقہ کتابیں جلالین شریف، ابوداؤد، شرح عقائد، میبذی، ملا حسن تھیں۔

جذبہ ایثار و اخلاص

چونکہ حضرت اساتذہ کا یہ تقرر اکابر دار العلوم کی جانب سے ہوا تھا اس لئے اس دوران میں بڑی بڑی تنخواہوں کی حضرت نے پرواہ نہیں کی، مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے ایک سو پچاس روپیہ کی تنخواہ کے لئے پیشکش کی گئی جبکہ شاہی مراد آباد میں پچیس مل رہے تھے لیکن حضرت الاستاذ نے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ میں جن بزرگوں کے حکم سے یہاں آیا ہوں ان کے ایماء کے بغیر کسی دوسری جگہ جانے کو تیار نہیں ہوں۔ اسی طرح مدرسہ امدادیہ مراد آباد ہی کے صدر مدرس جناب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے بہتر تک تنخواہ دینے کے لئے فرمایا لیکن حضرت الاستاذ نے انہی الفاظ میں معذرت کر دی، کلکتہ کے مدرسہ سے تین سو پچاس کی پیشکش کی گئی جبکہ شاہی سے صرف ساٹھ مل رہے تھے لیکن حضرت الاستاذ نے تحریر فرما دیا کہ میں سرکاری ملازمت کو جائز نہیں سمجھتا۔

اسی تدریس شاہی کے دوران متعدد بار مناظروں کی بھی نوبت آئی جن میں آریہ سماج، اہل حدیث، مبتدعین وغیرہ سب ہی شامل ہیں، لیکن ہر موقع پر حضرت کے لئے بے پناہ علم اور ساحرانہ انداز بیان نے حضرت ہی کو کامیابی عطا فرمائی مبتدعین کے ساتھ کیا گیا ایک مناظرہ "مناظرہ موضع ڈھکیا" کے نام سے طبع بھی ہو چکا ہے۔

قیادت دار العلوم

تدریس کی بیشتر زندگی تو حضرت الاستاذ نے مدرسہ شاہی

باقی صفحہ ۲۴ پر

مراسلہ

نقطۂ نظر

مکرمی ایڈیٹر صاحب سلام مسنون!

قادیانیوں کے سالانہ اجتماع میں "ہندوستان زندہ باد" کے نعرہ پر جناب مشتاق لاشاری نے اعتراض کیا اور اسے حب الوطنی کے منافی قرار دیا ہے۔ اس پر جناب محمد نعیم آف لندن اور جناب محمود افضل بٹ آف کرائیڈن نے اپنے مراسلات میں اس نعرہ کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ محمد نعیم اللہ صاحب نے مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کا سہارا لیا ہے کہ انہوں نے کہا تھا "مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا" لیکن انہیں یہ یاد نہیں رہا کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی تجویز سب سے پہلے علامہ اقبال نے پیش کی تھی اور پاکستان کی پارلیمنٹ نے ۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی جو آئینی ترمیم منظور کی ہے وہ مفکر پاکستان علامہ اقبال کی اس تجویز پر عملدرآمد ہے۔ جناب محمود افضل بٹ نے کہا ہے کہ قادیانیوں کے اجتماع میں چونکہ مختلف ممالک کے لوگ شریک تھے اس لئے "ہندوستان زندہ باد" کے نعرہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں گذارش ہے کہ قادیانی امت کے سربراہ مرزا طاہر پاکستانی پاسپورٹ رکھتے ہیں اور ان کی ساری جنگ اس وقت حکومت پاکستان کے خلاف ہے۔ دوسری طرف مسئلہ کشمیر پر پاکستان اور بھارت کی کشمکش ساری دنیا کے سامنے ہے۔ دونوں ملک اس حوالے سے دو جنگیں لڑ چکے ہیں اور خدانخواستہ تیسری جنگ کے بادل منڈلا رہے ہیں اس پس منظر میں مرزا طاہر احمد کا بھارتی ہائی کمشنر کو اپنے اجتماع میں بلانا، حکومت پاکستان اور قادیانیوں کی کشمکش کے حوالے سے بھارتی ہائی کمشنر کا انسانی حقوق کے عنوان پر قادیانیوں سے ہمدردی کا اظہار کرنا اور پھر "ہندوستان زندہ باد" کے نعرے لگنا حب الوطنی کی کونسی صورت ہے؟

میں قادیانی حضرات سے گذارش کروں گا کہ جب وہ بھارت کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کرنے اور اپنی جنم بھومی میں واپس چلے جانے کا ارادہ کر چکے ہیں تو پھر اسے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھی طرح پاکستانی پاسپورٹ واپس کر دیں اور بھارت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کر کے بڑے شوق سے پوری دنیا میں "ہندوستان زندہ باد" کے نعرے لگاتے پھریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ لیکن جیب میں پاکستانی پاسپورٹ رکھ کر زبان سے "ہندوستان زندہ باد" کے نعرے لگانے کو بہرحال "غداری" سے ہی تعبیر کیا جائے گا۔

(سلطان احمد، برطانیہ)

جہلم سے گفتگو (۲)

گذشتہ دنوں دریائے جہلم پر سے گزر ہوا تو اسے اس کی سابقہ روش سے ہٹ کر ایک نئے انداز سے محو سفر پایا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر حیرت ہوئی اس موقع پر زبانِ حال سے اس سے کچھ گفتگو ہوئی جو نظر قارئین ہے۔

خیریت تو ہے؟

ہاں الحمد للہ خیریت ہے۔

آج بڑے ترنگ میں لگ رہے ہو؟

میں تو ہوتا ہی ترنگ میں ہوں، دریا کا کام ہی کیا ہے۔

لیکن پہلے تو کبھی بھی تمہیں یوں نہیں پایا؟

کیا نہیں پایا؟

ایسا ہی جیسے تم اب ہو!

کیا فرق ہے میرے ماضی اور حال میں؟

فرق یہ ہے کہ ماضی میں تمہیں ہمیشہ غمگین افسردہ پریشان اور دکھی دیکھا ہے جبکہ اب تو ماشاءاللہ خوشی مسرت بلکہ کچھ انداز تفاخر دکھائی دیتا ہے.....

میرے ماضی اور حال میں تو تمہیں فرق نظر آگیا مگر وجہ فرق نہ سمجھ سکے حالانکہ آج سے کوئی چار سال قبل جب تم سے ملاقات ہوئی تھی تو اس موقع پر تمہیں اپنی داستان غم بھی تو سنائی تھی.....

ہاں اب سمجھے نا......

مگر تم اب خوش کیوں ہو؟

بھئی خوش کیوں نہ ہوں کہ مجھے آزادی ملنے لگی ہے......

مگر کیسے، کیا ہندو کو تم پر رحم آگیا ہے؟

لاحول ولا قوۃ یہ کیا کہہ رہے ہو میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی....

تو پھر اور کیا مطلب ہے تمہاری بات کا....

بھئی رحم اور ترس، شرافت اور اصول پسندی نام کی کوئی چیز ہندو ڈکشنریوں میں نہیں ہے یہ قوم لاتوں کی ہے جینا کو حرام چالیس سال تک یہ باتوں سے نہ مانی تو اب کشمیری مسلمانوں نے اسے لاتوں پر رکھ لیا ہے۔

تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ تمہیں آزادی ملنے والی ہے ہندو قوم تو بڑی ڈھیٹھ واقع ہوئی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس پر لاتوں کا بھی اثر نہ ہو؟

ہاں یہ بات تو تمہاری درست ہے کہ یہ قوم بڑی ڈھیٹھ ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی کفریہ طاقت کو مجاہدین اسلام نے لاتوں پر لیا ہے تو اسکی شامت آگئی ہے اور وہ بدترین انجام سے دوچار ہوئی ہے۔

کوئی مثال؟

یوں تو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ بھری پڑی ہے مگر تم صرف حال ہی میں تباہ و برباد ہونے والی سپر پاور سوویت یونین کے انجام کا مشاہدہ و مطالعہ کر سکتے ہو۔

لیکن..... وہ...... مگر........ کشمیری مسلمان کا کیا بھروسہ یہ تو اس سے قبل بھی کئی مرتبہ اٹھا لیکن پھر دب گیا اب بھی یہ کچھ دن تک تو سرگرم رہے گا مگر پھر دب جائے گا......

نہیں بھئی ہر مرتبہ ایسا نہیں ہوتا اور پہلی بات ہے کہ کشمیری مسلمان اس سے قبل "تحریکیں" اٹھاتا رہا ہے جبکہ اس دفعہ اس نے "بندوق" اٹھائی ہے دوسری بات یہ کہ اگر اسکو دبنا ہوتا تو پینتیس ہزار مسلمانوں کی شہادت اور لاتعداد مکانات کے نذر آتش، بے شمار خواتین کی عصمت دری کے بعد یہ دب چکا ہوتا مگر تم دیکھ رہے ہو کہ طلوع ہونے والا ہر سورج اس جہاد میں نئی گرمی مجاہدین کے جذبہ جہاد میں نئی روح اور عزم میں پختگی کی نوید جبکہ بھارت کے لیئے تباہی و بربادی کی نئی داستانیں لیئے ہوئے ہوتا ہے۔

واہ تم تو محض دریا ہی نہیں بلکہ اچھے خاصے خطیب بھی ہو، اچھا یہ بتاؤ کہ قادیانی اس دفعہ چپ اور خاموش کیوں ہیں؟

لو...! یہ بھی بھلا کوئی پوچھنے کی بات ہے وہ کیوں خاموش ہو سکتے ہیں وہ تو بھرپور کاروائی کر رہے ہیں مگر اب کی انہوں نے طریقہ واردات بدل دیا ہے....

کیا مطلب کیا کر رہے ہیں؟.....

بھئی وہ امان اللہ کو اپنے لیئے استعمال کر رہے ہیں یعنی مجاہدین کے روپ دھار کر وہ آ کے اپنا کام کر رہے ہیں امان اللہ کو خود مختار کشمیر کا نعرہ بھی ربوہ سے دیا گیا ہے۔

خود مختار کشمیر میں قادیانیوں کا کیا فائدہ ہے؟

قادیانیوں کا یہ فائدہ ہے کہ وہ اپنے ایجنٹوں کے ذریعے یا خود ہی خود مختار کشمیر کو سازشوں کے ذریعے اپنی مملکت بنا سکیں گے لیکن اگر وہ پاکستان سے ملحق ہو جائے تو پھر ان کے لیئے اس قسم کا خواب ناممکن ہو جائے گا۔

کیا امان اللہ کو کامیابی ہوئی ہے؟

باقی صفحہ ۲۰ پر

گولی سینے پر کھائینگے پشت پر نہیں

مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا کراچی میں خطاب

ضبط و ترتیب مولانا منظور احمد الحسینی

رفقائے کرام برادرانِ ملت! ایسی پُرمغز تقریر سننے کے بعد کوئی حاجت نہیں کہ آپ میرے کلمات سنیں، جی چاہتا ہے کہ جو باتیں مجھ سے پہلے فرمائی گئی ہیں وہ آپ کے ذہن میں جاگزیں ہوجائیں مجھ سے پہلے جو نہایت گرانقدر کلمات ارشاد فرمائے گئے ہیں جس انداز سے تجزیہ کیا گیا ہے جو حقائق آپ کے سامنے رکھے گئے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ آپ ان کو حرزِ جاں بنائیں، اور دلوں میں نقش کرلیں، مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ اتنی اچھی تقریر کے بعد کوئی دوسری تقریر ہو، جب کہ میں نہ اچھا خطیب ہوں، نہ اچھا مقرر ہوں، اور نہ تقریر کرنے کا خواہشمند ہوں، آج اتفاق سے سست بھی ہوں، طبیعت میں نشاط بھی نہیں بڑی مشکل سے یہاں پہنچا ہوں صرف تعمیلِ حکم کیلئے۔

آپ نے جو باتیں سنی ہیں ان کو دل میں جگہ دیں اتنی پُرمغز تقریریں آپ کے سامنے ہوئی ہوں گی لوگ کم قدر کرتے ہیں، ہمیں تو بزرگوں اور دوست واحباب کی باتوں کو سننے کا واسطہ پڑا ہے اس لیے ہمیں کچھ تجربہ زیادہ ہوچکا ہے جو کچھ انہوں نے تجزیہ فرمایا وہ قابلِ قدر ہے اور ہم ان کے شکر گزار ہیں، میرے متعلق انہوں نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ میں بالکل نااہل ہوں، اور کسی تعریف کا مستحق نہیں اللہ جل ذکرہ جس سے چاہے کام لے لے۔ اس کی قدرت ہے اللہ تعالیٰ مُردوں کے اندر روح ڈالتا ہے، جو اس کی قدرت کا خاصہ ہے، اور حق تعالیٰ ہمیشہ ایسا کرتے ہیں میں ایک ضعیف، ناتواں اور کمزور ہوں، عمر ۷۰ سال کو پہنچنے کے بعد کچھ عوارض بھی لگ گئے ہیں جس سے میری ہمت پست ہوگئی۔ بارہا مجھ پر اصرار کیا گیا اور کوشش کی گئی کہ میں ختم نبوت کے کام کو بھی سنبھالوں، جب کہ میری حالت یہ تھی کہ ضعیف اور کمزوری کی وجہ سے مدرسے کی ذمہ داری جو میرے سر پر تھی میں اس کے فرائض بھی پورے ادا نہیں کرسکتا تھا، اور ان فرائض منصبی میں تقصیر کرتا تھا، اس لیے مجھے وہاں بھی دوستوں کی اعانت کی ضرورت تھی، اور میری توجہ بھی کچھ اس انداز سے تھی کہ زندگی جس ماحول میں گزر رہی تھی اسی انداز سے میں خوش تھا کہ تصنیف و تالیف کی زندگی ہو، تدریسی زندگی ہو، کسی اور ذمہ داری کے تصور سے بھی گھبراتا تھا۔

جب احرار کی جماعت کے دو شعبے ہوگئے، ایک دعوت دین کا، اور ایک سیاست کا، اور دین کے شعبے کا صدر حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کو بنایا گیا، وہ اس کے سرپرست تھے اور انہوں نے کام شروع کیا، اور اس شعبہ کو چلایا، اس کے بنیادی اصول میں یہ بات رکھی گئی تھی کہ اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اور ان سے الحمدللہ میرے ذاتی مراسم بھی تھے اور عطاء اللہ شاہ بخاری میں جو روح پیدا ہوئی تھی یہ درحقیقت (تاریخ کسی کو کم معلوم ہوگی) حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی روح تھی جو ان کے اندر جلوہ گر ہوگئی تھی۔

یہ تفصیلات میں عرض کرتا ہوں۔ ۱۳۴۰ھ میں جب قادیانی فتنے کا عروج ہوا، اور نہایت شباب شروع ہوا، مناظروں کے اور چیلنجوں کے دور شروع ہوگئے، قادیانیوں نے مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لیے دعوت دینی شروع کردی اس وقت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم کے صدر مدرس تھے، ان کے دل میں اتنا شدید صدمہ ہوا، انہوں نے مجھ سے خود فرمایا تھا کہ ایسا وقت آیا کہ میں اس فتنہ قادیانی کی وجہ سے چھ مہینے سو نہیں سکا، اور میرے دل میں یہ خطرہ تھا کہ یہ فتنہ کہیں دینِ محمدی کے زوال کا باعث نہ بن جائے، فرمایا کہ چھ مہینے کے بعد میرے دل کے اندر القاء ہوا کہ یہ فتنہ مضمحل ہوجائے گا، دین باقی رہے گا تم مطمئن رہو، تب جاکے حضرت (انور شاہ) سوئے ہیں، اور اس کے بعد بھی جب کبھی اس فتنہ کا ذکر آتا تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کا دل زخمی ہے اور خون ٹپک رہا ہے اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس زمانے کے اندر جتنے حضرات کو میں نے دیکھا ہے اس وقت سے اب تک اس پچاس سال کے عرصہ میں جتنا کہ ان کے دل میں درد تھا اتنا درد کہیں نہیں دیکھا، حق تعالیٰ جل ذکرہ نے ان کو ایسا قلب دیا تھا کہ اسلامی تاریخ کے کسی دور میں جب بھی اسلام کو نقصان پہنچا ہے جب آپؒ اس کا تصور کرکے ذکر کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ زخم تازہ ہے، گویا یہ واقعہ آج وجود میں آیا ہے، اور آج اس سے آپ متاثر ہو رہے ہیں اسلام کے لیے ایسی دردمندی ان کی طبیعت میں تھی، بہرحال اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق اونچا تھا، اونچی شخصیت تھے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جذبہ پیدا کیا تھا۔

انہوں نے سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کو جگایا، اور بڑی بڑی کتابیں لکھیں، اور اپنے تلامذہ میں مفتی محمد شفیع، مولانا بدرعالم اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ان نوجوانوں کو اٹھایا ان کو مواد دیا، سامان دیا، ان سے کتابیں لکھوائیں خود کتابیں لکھیں، سب سے پہلے کفر و اسلام کے مسئلہ پر آپ نے اکفار الملحدین

فی ضروریات الدین کے نام سے کتاب لکھی تاکہ قادیانیوں کا کفر واضح ہو جائے پھر اس کتاب پر اپنے اس زمانے کے تمام معاصرین اور اکابرین سے دستخط کرائے، آپ نے خود مجھ سے فرمایا تھا کہ میں نے اس لیے دستخط نہیں کرائے کہ میں اپنی اس کتاب کی بزرگوں سے تعریف کرانا چاہتا تھا، بلکہ میں نے اس لیے کرائے تاکہ اس سلسلے میں ہمارا مسلک متحد ہو جائے، اور جماعت میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

اس طرح آپ نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کے اہم موضوع پر "عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام" لکھی یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں خود فرمایا کرتے تھے کہ حیات مسیح علیہ السلام پر میں نے ایسی کتاب لکھ دی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بنا پر میری شفاعت فرمائیں گے۔

اور عجیب اتفاق ہے کہ میں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ایک مشعل آسمان سے اترا، اس کے ایک کنارے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور دوسرے کنارے پر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ بیٹھے ہیں، یہ منظر میں نے خواب میں دیکھ لیا تھا، جس کی تعبیر یہی تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت شاہ صاحب کی شفاعت فرمائی، پھر آپ نے "تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام" لکھی اس کے علاوہ دیگر کتابیں لکھیں اور لکھوائیں۔

اس کے بعد ہوتے ہوتے مئی یا اپریل ۱۹۳۰ء لاہور کے اندر انجمن خدام الدین کا بہت بڑا اجلاس ہوا میں اس وقت وہاں موجود تھا، مولوی فاضل کے امتحان کے بارے میں کچھ بات دماغ میں آگئی تھی، الحمدللہ میرا ذاتی خیال نہیں تھا، لیکن کسی نے مجھے جوش دلایا تھا، صرف بیس پچیس دن باقی تھے پرائیویٹ امتحان کی میں نے درخواست دے دی، اور بیس پچیس دن کی محنت سے میں الحمدللہ اعلیٰ نمبروں میں پاس ہو گیا تھا، تو خیر وہ زمانہ تھا کہ میں وہاں پر اس اسٹیج پر موجود تھا، اس وقت میں فارغ شدہ مولوی تھا، لمبی داستان ہے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری تقریر کر رہے تھے، اسٹیج پر مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مولانا احمد سعید اور مولانا ظفر علی خان وغیرہ سارے حضرات موجود تھے۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی بڑی زوردار تقریر ہو رہی تھی، درمیان میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا تم تقریر سن رہے ہو، اور آج تم رو رہے ہو۔ تمہارے سو جانے کا کوئی بھروسہ نہیں ہے آج جو کچھ تم کہہ رہے ہو اگر یہ حق اور سچ ہے تو کسی شخص کے ہاتھ پر بیعت کرو۔ اس کو اپنا امام بنا دو، اور ابھی بنا دو، تاکہ سب اس کے پیچھے چلیں اور دین

اسلام سب سے بہتر مذہب ہے

جب میں ہندوستان سے پاکستان آئی تو یوں لگا جیسے جہنم سے جنت میں آگئی ہوں

اسلام عیسائیت سے کہیں بہتر ہے اور عیسائیت کرپٹ ہو چکی ہے

یورپ کے ممالک میں عزت بچانے کے لیے چھپتی رہی۔

عرب ممالک کے لوگ یورپ میں اپنا مذہب بھول جاتے ہیں،

یوگوسلاویہ کی برطانوی نژاد مصنفہ مریم اپنے مشاہدات بیان کرتی ہیں،

لندن (وطن نیوز) عیسائیت کے مقابلے میں اسلام کہیں بہتر مذہب ہے حالانکہ عیسائیت کی سچائی ثابت کرنے کے لیے گھر سے نکلی تھی یہ بات پاکستان آئی ہوئی "مریم اور مصطفیٰ" نامی انگریزی کتاب کی یوگوسلاویہ کی برطانوی نژاد مصنفہ مریم نے خصوصی اور دلچسپ انٹرویو میں کہی۔ ۵۰ سالہ مریم ۲۵ سال سے برطانیہ میں مقیم ہے اور برطانیہ کے ایک چرچ میں عیسائیت کی تعلیم دیتی رہی ہے وہ عیسائیت اور دوسرے مذاہب کے تقابلی موازنے اور بے سہارا اور بے وسائل انسانوں سے مختلف مذاہب اور ممالک کے لوگوں کے رویئے کے موضوع پر گزشتہ کچھ برسوں سے ایک کتاب لکھ رہی ہے جس کے لیے وہ دنیا کے پندرہ ممالک جا چکی ہے۔ مریم کے مطابق اب تک وہ مختلف ممالک میں پیسے نہ ہونے یا دوسری وجوہات کی بنا پر ۱۲ مرتبہ گرفتار ہو چکی ہے اس لیے تین شادیاں کیں جن میں ایک عرب مسلمان سے شادی بھی شامل ہے۔ وہ ڈیڑھ سال تک اسرائیل فلسطین تنازعے کی عینی شاہد بھی رہی اور موساد کی ہٹ لسٹ پر بھی رہی جب کہ اس نے پی ایل او کو لبنان میں اپنے ڈیڑھ سال کے تحریری مشاہدات فروخت کرنے سے انکار کر دیا مریم کا کہنا ہے کہ تمام مذاہب میں سے بُرا مذہب ہندو مذہب ہے اس لیے جب وہ بھارت سے پاکستان پہنچی تو اس نے یوں محسوس کیا گویا دوزخ سے جنت میں آئی ہو اس نے کہا کہ تمام مذاہب میں سب سے بہتر مذہب اسلام ہے اور قرآن بہت اچھی اور سچی کتاب بھی ہے مریم کے مطابق عیسائیت کرپٹ ہو چکی ہے۔ یہی حال یہودیوں کا ہے مریم نے کہا کہ وہ پیسوں کے بغیر اس لیے یہ سفر کر رہی ہے کہ اس طرح انسانی فطرت کو زیادہ اور بہتر انداز میں دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ اس نے اٹلی اور یونان کو سب سے برے معاشرے قرار دیا اس نے کہا کہ یورپ میں اخلاقی اقدار اور معاشرہ ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ اس نے بتایا کہ جب سے وہ روحانیت کی طرف آئی ہے خدا اس کے ساتھ ہو گیا ہے مریم نے کہا کہ پاکستان کے لوگ اور معاشرہ بہت اچھا ہے یہاں کے لوگوں میں اخلاقی اقدار باقی ہے اور دیگر اسلامی ممالک کے مقابلے میں یہاں اسلام زیادہ بہتر ہے جبکہ ترکی آدھا یورپ ہو چکا ہے اور عرب ممالک کے مسلمان یورپ جا کر اپنا مذہب بھول جاتے ہیں لیکن پاکستانی وہاں بھی اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں مریم نے پاکستان کی پولیس کو بہت خراب اور بددیانت قرار دیا مریم نے کہا کہ اس نے جنگ کی گولیوں میں بھی وقت گزارا ہے اور وہ فٹ پاتھوں پر بھی سوئی ہے اور یورپ کے ملک میں اپنی عزت بچانے کے لیے چھپتی رہی ہے مریم نے کہا کہ تین شادیوں کا تجربہ کرنے کے بعد اب میں عقل مند ہو گئی ہوں۔

کے لیے کام کریں، سب لوگ کھڑے ہوگئے، عطاء اللہ شاہ بخاری کھڑے ہوگئے ہیں، اور ساتھ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی تقریر کر رہے ہیں، پھر مولانا ظفر علی خان کھڑے ہوگئے، اب یہ دونوں (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری اور حبیب الرحمٰن لدھیانوی) کھڑے ہیں اور مولانا ظفر علی خان نے تقریر شروع کر دی اور کہا میں اس مقصد کے لیے سب سے پہلے عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں، اور خوب زوردار تقریر کی۔ اس پر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، حضرت مولانا انور شاہ یہاں تشریف فرما ہیں وہ اس کے اہل ہیں ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہیے، اب مولانا انور شاہ بھی اسٹیج پر کھڑے ہوگئے، اب انہوں نے تقریر شروع کر دی ایک عجیب منظر تھا، حضرت شاہ صاحب نے تقریر میں فرمایا میں ایک بوڑھا اور ضعیف ہوں، میں اہل نہیں ہوں، میں اس مقصد کے لیے عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر بناتا ہوں اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، اب مولانا انور شاہ نے عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے (اس وقت) عطاء اللہ شاہ بخاری رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں، خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، وہ رو رہے ہیں اور یہ ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں، اسٹیج پر ایک عجیب منظر تھا خیر ہوتے ہوتے حضرت انور شاہ کی توجہات غالب آگئیں اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر بنا دیا گیا تو سب سے پہلے بیعت ظفر علی خان نے کی، دوسری بیعت مولانا عبدالعزیز گوجرانوالہ نے کی اور تیسری بیعت محمد یوسف بنوریؒ نے مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہاتھ پر کی، اس مقصد کے لیے یہ تاریخی اور دلچسپ واقعہ تھا جو آپ کو سنا دیا گیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری جو امیر شریعت بنائے گئے، ان میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی روح پیدا کر دی، مولانا انور شاہ کی توجہات تھیں اور عطاء اللہ شاہ بخاری کو آپ نے ہدایت فرمائی کہ اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے، اس کے متعلق تم کام کرو، پھر عطاء اللہ شاہ بخاری نے جو کام انجام دیا ہے اس پر مولانا انور شاہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بیسیوں کتابیں لکھیں اور عطاء اللہ شاہ بخاری اسٹیج پر ایک تقریر کرتا ہے اور قادیانی کو مٹی میں پہنچا دیتا ہے، اور ذلیل کر دیتا ہے، حضرت نہایت خوش ہوتے تھے اور دعائیں دیتے تھے۔

حق تعالیٰ نے ملک کے اندر اپنے زمانے کے چار خطیب پیدا کئے تھے، جن کی نظیر نہیں ہے

(۱) عطاء اللہ شاہ بخاری (۲) ابو الکلام آزاد (۳) مولانا احمد سعید (۴) مولانا شبیر احمد عثمانی یہ چار خطیب تھے اور ہر خطیب کے اپنے نئے نئے انداز اور اسلوب ہیں تفصیل کا وقت نہیں ہے۔

جماعت ختم نبوت کے پہلے صدر عطاء اللہ شاہ بخاری تھے، ان کی وفات کے بعد جماعت کے حضرات میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا اللہ کے لیے تم اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لو تم صدر بن جاؤ، میں نے کہا میں اس ذمہ داری کو اٹھانے کے قابل نہیں، معذور بھی ہوں ضعیف بھی ہوں ہاں میں اتنا کرتا ہوں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید پہ میں تحفظ ختم نبوت جماعت کی شوریٰ کا رکن بنوں گا، میں نے شوریٰ کی رکنیت حاصل کر لی، اس غرض اور مقصد کے لیے کہ اس سلسلہ کی نسبت مجھے حاصل ہو جائے۔

پھر مولانا محمد علی جالندھری تشریف لائے، اور جماعت کی امارت قبول کرنے کے لیے کہا، میں نے ان سے کہا تم اہل ہو، موزوں ہو، قادیانیوں کے گویا تم انسائیکلو پیڈیا ہو، ان کی تفصیلات تمہیں معلوم ہیں، تم اس موضوع پر بہترین خطیب ہو۔ ایک ایک تکیے پر گھنٹوں تقریر کرتے ہو، اور بات عوام کے دلوں میں اتارتے ہو، خیر اس وقت انہوں نے میری بات مان لی، اور خود امیر بن گئے، ان کی وفات کے بعد پھر مجھ پر تقاضا کیا گیا میں نے پھر انکار کیا، چنانچہ ان کی وفات کے بعد مولانا لال حسین اختر امیر بنے، جب ان کا انتقال ہوا تو پھر مجھ سے تقاضا کیا گیا، میں نے پھر انکار کیا، پھر مولانا محمد حیات کو امیر بنایا گیا، وہ بیماری ضعیف اور کمزوری کی وجہ سے جماعت کی امارت کے بوجھ کو اٹھا نہیں سکتے تھے، پھر لوگوں نے مجھ سے کہا خدا کے لیے تم آؤ، شوریٰ کا اجلاس ہوا، اور شوریٰ کے اجلاس کے آخر میں یہ مسئلہ پیش ہوا کہ امیر کون بنے؟ اب حالات کے پیش نظر لوگوں نے مجھے اتنا مجبور کیا جس کی کوئی انتہا نہیں۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں کیں اے اللہ میں اس ذمہ داری کے قابل نہیں ہوں، لوگ مجھے معذور سمجھیں، مگر ایسا نہ ہوا اور ان حضرات نے اسی مجلس میں مجھے تحفظ ختم نبوت کا صدر بنا دیا، مجھے کیا معلوم تھا کہ میرا امتحان بھی اتنی جلدی آنے والا ہے یہ امتحان میرے تصور میں بھی نہ تھا۔

میں نے سمجھا کہ چلو مجلس کا صدر بن گیا، کبھی کبھار شوریٰ کا اجلاس ہوگا، اس میں شریک ہو جایا کریں گے، کچھ نظم وغیرہ ٹھیک کر دیں گے، کچھ تھوڑا کام کر دیا کریں گے، بس یہ خیال تھا، یہ کہاں خیال تھا کہ اب میدان میں نکل کر یہ کام کرنا ہے یہ تصور بھی نہ تھا۔

اسی دوران دوستوں نے مجھ سے کہا کہ آپ پر کام کا بہت بوجھ ہے، آپ بہت تھک گئے ہیں، کچھ دن سوات ہو آئیں، چنانچہ میں ایک ہفتہ کے لیے سوات گیا ہوا تھا، وہاں آخری رات واپسی کی تھی (خورشید مینخار) وہاں جب پہنچا تو میرے پیچھے جلدی سے دوست میر عالم خان نغاری جو مدرسے کے کاموں میں میرے رفیق کار ہیں وہ راولپنڈی سے کار لے کر میرے پیچھے آئے، اور کہا کہ حالات بڑے نازک ہوگئے ہیں، اخبارات میں بھی ربوہ کا واقعہ پڑھ چکا تھا، اس وقت میری زبان سے ایک لفظ نکل گیا میں نے کہا ایسا کچھ محسوس ہوتا ہے شاید ان (قادیانیوں) کا وقت ہلاکت آگیا ہے اور جب چیونٹی کی ہلاکت کا وقت آتا ہے تو اس کو پر لگ جاتے ہیں، اتفاق سے یہ جملہ بغیر سوچے میرے منہ سے نکل گیا، اللہ جل ذکرہ کی عجیب حکمت ہے، وہ لفظ میں نے کہہ دیا تھا۔ اخبارات پڑھتے رہے کہ ربوہ میں ایسا واقعہ پیش آیا ہے، اس سے زیادہ ہنگاموں کی تفصیلات معلوم نہیں تھیں ۹ مئی ۱۹۷۴ء کو یہ واقعہ پیش آیا۔

اب تین جوں کو ان حضرات نے اعلان کیا، اور تمام علماء کرام کو دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث سب کو بلایا

یہ اجلاس راولپنڈی میں بلایا، اور میرے پیچھے یہ پہنچے کہ خدا کے لیے جلدی پہنچیں اب یہ دو تین کی درمیانی رات ہے، ہم وہاں مہمان تھے، اور انہوں نے بے حد اصرار کیا کہ جلد چلنا چاہیے، ہم نے ارادہ کیا کہ اسی رات روانہ ہو جائیں تو لوگوں نے کہا رات کو جانا خطرناک ہے، اور رات میں فائرنگ ہوتی ہے، لوٹ مار کا اندیشہ ہے رات جانا مناسب نہیں ہے، ہم جہاں مہمان تھے ان خاتون نے کہا، اگر آپ جانا ضروری سمجھتے ہیں تو صبح ٹھہر کر ہم آپ کے ساتھ بھیج دیتے ہیں. خواہ مخواہ اگر جانا ضروری ہے. تو ہمارے یہ لوگ آپ کے ساتھ جائیں گے، مشورہ ہوا کہ آج رات آدھی رات کے بعد چلیں گے، چنانچہ ہم وہاں سے چلے دو تین کاریں ساتھ تھیں، اور ہم نو بجے راولپنڈی پہنچ گئے، وہاں اجلاس تھا، اجلاس میں کچھ بیانات ہوئے بیانات تھے، حالات پر غور کیا معلوم ہوا کہ جلسہ کی پوری نمائندگی نہیں ہے، جب اہم فیصلے کرنے ہیں تو اور حضرات ہونے چاہییں، درمیان میں یہ بھی ٹیلی فون آگیا کہ مولانا تاج محمود صاحب مولانا زین العابدین صاحب حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب اس راولپنڈی کے جلسے میں شرکت کے لیے آرہے تھے لالہ موسیٰ کے قریب پولیس نے ان تینوں کو بس سے اتار لیا اور گرفتار کر لیا. بہرحال یہ پہلی کانفرنس تھی مجھے یہ سوجھا کہ داعی اور کنوینر مجھے بننا ہوگا کیونکہ تحفظ ختم نبوت کا مسئلہ ہے، پہلے مجھے قدم اٹھانا چاہیے اسی بناء پر میں داعی بن گیا، کیونکہ میرا تعلق اس سے ہے، چنانچہ میں تمام حلقوں کو دعوت دی اور میرا خیال تھا کہ میری دعوت پہ کون آئے گا، تیس چالیس دعوت نامے الٹے سیدھے لکھ کر ہم نے جاری کر دیے اور ۹ جون ۱۹۷۴ء کو انجمن خدام الدین لاہور میں کانفرنس رکھ دی۔

لیکن اس سلسلے کی برکت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا معجزہ تھا ختم نبوت کی برکت اور عظمت تھی کہ وہ معمولی پرچے (دعوت نامے) جو میری طرف سے لکھ کر ڈالے گئے، اس پر سب نے لبیک کہا، مدعوین میں سے سب حضرات تشریف لے آئے، ایسا کوئی مدعو نہ رہا جو نہ آیا ہو. تمام لوگ جمع ہو گئے میں نے کہا فقیر! اب کام کرنے کا وقت آگیا، اب کچھ بوجھ محسوس ہونے لگا، داعی میں تھا، لوگوں نے مجھے کہا تم بھی اٹھو بیان کرو، لوگوں نے کہا ہم آپ کی دعوت پر آئے ہیں، آپ ہمیں بتلائیں کس لیے یہاں بلایا ہے، اب صاحب میں اٹھا، اٹھ کر جو کچھ سمجھ میں آیا میں نے بیان کیا، میں نے اس میں کہا کہ یہ مسئلہ دین کا ہے خالص دین کا ہے، میری آرزو اور خواہش یہ ہے اس کو دین کے دائرے کے اندر رکھیں، سیاست سے اس کو بالکل پاک صاف رکھیں، یہ پہلی بات ہے۔ اس سلسلے کی دوسری بات یہ ہے کہ دین کے اندر رہ کر ہم جو کچھ تکلیفیں اس سلسلے میں اٹھائیں گے باعث اجر ہوگا، اور ہماری ترقی کی راہ کا ذریعہ ہوگا، اگر نفس کی خواہشیں اور سیاسی خواہشات اس میں ملا دیں گے تو اگر ہماری کامیابی بھی ہو جائے تب بھی وہ ناکامی ہے، اس لیے کہ اجر نہیں ملے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ پر امن رہ کر اس کام کو کرنا ہے، تشدد نہ کریں، اس لیے کہ سابق زمانے میں کچھ حالات پیش آئے کچھ لوگوں نے اس کو آلہ کار بنایا، اور تشدد کے راستہ پہ ڈال دیا، ظاہر طور سے ناکام ہو گئے، گو وہ خدا کے ہاں کامیاب ہوں گے، اس لیے میں نے کہا کہ اس تحریک کو پُرامن طریقے سے چلائیں، تشدد سے پرہیز کریں اور چوتھی بات یہ ہے کہ فریق صرف قادیانی کو بنائیں، حکومت کو نہ بنائیں، ہمارا خصم (مدمقابل) صرف قادیانی ہے، ہمارا مقابلہ صرف ان سے ہوگا، کیونکہ انہوں نے جارحیت کی ہے، انہی مرتدوں نے یہ کام کیا ہے. ہاں اگر کسی وقت میں حکومت نے ان کی ایسی سرپرستی اور حمایت شروع کی کہ اپنے دامن میں لے کر ان کو بچانا شروع کیا تو آپ حضرات کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس وقت ہمارا طرز عمل کیا ہوگا؟

اس انداز سے میں نے گفتگو کی کچھ ہمارے دوستوں نے سوچا کہ شاید یہ ملا آدمی ہے، کچھ ڈرتا ہے، قید و بند سے کچھ گھبراتا ہے، اس لیے سیاسی رنگ نہیں دینا چاہتا، مفتی محمود صاحب کھڑے ہو گئے، انہوں نے تقریر شروع کر دی، تقریر کرتے کرتے انہوں نے بات ایسی کہی جس سے نکلتا تھا کہ حکومت پر تنقید تو ہوگی حکومت کو فریق بنانا پڑے گا، اور اس سے ہمارے لیے بچنا بہت مشکل ہے، اور جس کو لوگ سیاست کہتے ہیں وہ تھوڑی بہت تو آ ہی جائے گی، یہ سن کر میں پھر کھڑا ہو گیا، میں نے کہا میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں قید و بند سے ڈرتا ہوں، بلکہ میرا جی چاہتا ہے کہ جو کچھ ہم قربانی دیں وہ دین کے راستے سے دیں، سیاست کے لیے نہ دیں، اور الحمد للہ اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ ان شاء اللہ گولی سینے پر کھائیں گے پشت پر کبھی نہیں کھائیں گے، اور اس وقت میں نے عربی کا ایک شعر پڑھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان جنگ میں پڑھا تھا اس سے میں نے توسل کیا اور کہا

ولسنا علی الاعقاب تدمی کلومنا
ولکن علی اقدامنا تقطر دما

"ہم وہ قوم نہیں ہیں کہ میدان جنگ کے اندر خون ہماری ایڑیوں پر گرے، ہم وہ قوم ہیں کہ خون ہمارے پنجوں پر گرتا ہے، سامنے گرتا ہے"

میں نے کہا کہ الحمد للہ میں بھی یہ شعر پڑھتا ہوں، میں ان شاء اللہ میدان جنگ میں کسی سے پیچھے نہیں ہوں گا لیکن آرزو اور خواہش یہ ہے کہ ہم مظلوم بنیں، ظالم نہ بنیں ہم مارنے سے پہلے مرنا سیکھیں، اور یہی چیز ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کو لانے والی ہے، اخیر میں نے تقریر کی، لیکن اس وقت سیاسی لوگ بہت تھے جو حکومت کے خلاف کافی تیز اور گرم تھے، انہوں نے عجیب و غریب تقریریں کیں، اور پریس کانفرنس میں جو کچھ میں کہنے والا تھا اس میں انہوں نے دخل دے کر کچھ الفاظ اپنے مزاج کے یا سیاسی قسم کے بھی داخل کر دیئے۔

جب ۱۱ جون کو میری بھٹو سے ملاقات ہوئی تو اس سے میری بہت عجیب و غریب باتیں ہوئیں، اس نے مجھ سے کہا کہ آپ نے مجھے دھمکی دی ہے کہ جو ہماری بات نہیں مانے گا ہم ہڑتال کریں گے، اور یوں کریں گے، اور یوں کریں گے، میں نے کہا دھمکی تو نہیں دی ہے، کچھ تیز الفاظ ہمارے دوستوں نے اپنی طرف

سے بڑھا بیٹھے تھے، انہوں نے سوچا میں ذرا ٹھنڈا ٹھنڈا ہوتا ہوں، ہم ذرا تیز بول دیں، اس لیے انہوں نے درمیان میں کچھ الفاظ پریس میں پڑھا بیٹھے، تو بھٹو صاحب نے مجھ سے کہا آپ کو تردید کرنی چاہیے تھی، پھر اس نے کہا دھمکی تو بہر حال ہو گئی، میں نے کہا بھٹو صاحب! وزیر اعظم صاحب! دھمکی آپ کی خیر خواہی کے لیے ہے، دست و بازو مضبوط کرنے کے لیے، کیا کیسے؟ میں نے کہا اس لیے کہ جب ہڑتال ہو جائے، اور پاکستان کے تمام عوام متفق ہو جائیں اور آپ باہر کی دنیا کا پریشر محسوس کریں تو ان کو بتلا سکیں کہ میں مجبور تھا، عوام سب متفق تھے، عوام کے سامنے میں کیا کرتا؟ بھٹو صاحب کہنے لگے بہت اچھا! آپ کہیئے! لیکن امن رہے، میں نے کہا یہ تو ہمارا اصول ہے، بڑی عجیب عجیب باتیں میں نے ان سے کی تھیں، ایسی ایسی باتیں کی تھیں کہ کسی ایک کا جواب بھی ان کے پاس نہیں تھا، حق تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا میرے سامنے ایک چڑا سی بیچارا بیٹھا ہوا ہے، اور میں اس کو خوب ڈانٹ رہا ہوں، ہم تو عادی ہیں نا، طالب علموں پر غصہ بھی کرتے ہیں، ڈانٹتے پھٹکارتے ہیں وہ دور گزر گیا کہ کبھی کسی نے ہم کو ڈانٹا ہوگا، اب زمانہ دراز پچاس ساٹھ سال سے ہم لوگوں کو ڈانٹ رہے ہیں تو عادت ہی تھی، اس لئے ہم نے وزیر اعظم صاحب کو بھی ڈانٹا، اور میری طبیعت ایسی ہے کہ خواہ کوئی بادشاہ ہو یا وزیر! جب بات حق و انصاف کی ہو تو میں بہت صاف کہتا ہوں، بہت زور دے کر کہتا ہوں، اور یہاں کسی کا ڈر تو ہے ہی نہیں، یہاں تو یہ جذبہ تھا کہ جو بھڑاس تھی خوب نکال لو، یہ میری طبیعت ہے، ہمیشہ ایسا ہوا، بہت سے واقعات پیش آئے ہیں۔

تو خیر بہر حال جب میں نے وہاں بیان کیا تو سب لوگ متفق ہو گئے، پھر بھٹو صاحب مذاکرات کے لیے آ گئے، فیصلہ جو کچھ طے ہوا طے ہوا۔ لوگوں نے اچھا پھر تم دائمی ہو، میں نے کہا میں ابھی عارضی دائمی ہوں، مستقل نہیں ہوں، میں اس وقت دعا کرتا تھا کہ خدا مجھے بچائے میں سمجھتا تھا کہ میں اس کام کا اہل نہیں ہوں، میں موزوں اس لیے قطعاً نہیں ہوں، اپنے ضعف اور ناتوانی کو دیکھتا تھا، اور سمجھتا تھا کہ اس کام کے لیے اس وقت حرکت کی ضرورت ہے، ہمت اور قوت کی ضرورت ہے، انتھک کی ضرورت ہے، دورے کرنے کی ضرورت ہوگی، لوگوں کو اٹھانے کی ضرورت ہوگی، میں اس کام سے اپنے آپ کو عاجز پاتا تھا اور میں معذور ہوں، میں آپ حضرات کو بنوری کی تعریف سناؤں ہاتھوں کے سہارے سے اٹھتا بیٹھتا تھا، اور لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ یہ میری تعریف تھی میں نے کہا ایک ایسا آدمی جو ہاتھوں کے سہارے اٹھتا بیٹھتا ہے اور لاٹھی کے سہارے چلتا ہے وہ کیا قیادت کرے گا؟ مجلس عمل کی صدارت کے فرائض کیسے انجام دے گا، میں اہل نہیں ہوں، بہر حال اب مجبور کرکے مجھ سے پھر کہا گیا کہ دعوت دو تاکہ ہڑتال کے بعد پھر ہم اجتماع کریں اور بھٹو کی تقریر بھی سامنے آ جائے گی، اس کی پھر تردید کریں گے یہ فیصلہ طے پا گیا، میں نے کہا بہت اچھا صاحب، ساتھیوں نے کہا لاہور بہت بڑا سیاسی مرکز ہے، سیاسی میدان ہے، دوبارہ اجتماع کے لیے کوئی ایسا شہر تجویز کیا جائے جو ہنگامے سے دور ہو، لاہور نہ ہو، تاکہ وہاں سیاسی فضا کم ہو اور دن اتوار کے علاوہ رکھوں، ورنہ خواہ مخواہ لوگ آ جائیں گے، میں تلاش کرتا تھا کہ کسی طریقے سے مجلس عمل کی صدارت سے جان چھڑاؤں، میرے اوپر بوجھ نہ آئے، تو میں نے پیر کا دن مقرر کر دیا اور جگہ لائل پور (فیصل آباد) مقرر کر دی، اور ۱۶ جون ۷۴ء کے لیے میں نے دعوت نامے جاری کر دیئے۔ دیکھتا کیا ہوں کہ سارے ممبران حضرات تشریف لا رہے ہیں، دیکھتا کیا ہوں کہ نورانی صاحب بھی تشریف لے آئے، دوسرے بڑے بڑے حضرات سب آ گئے، جن کو بلایا تھا وہ بھی آ گئے، اور جن کو نہیں بلایا تھا انہوں نے درخواست بھیجی کہ ہمیں بھی ممبر بنا لو ہم بھی صاحب حاضر ہیں، میں نے کہا یا اللہ مجلس عمل کی صدارت کا اہل نہیں ہوں، خدا شاہد ہے کہ میں نے وہاں جانے سے پہلے دو رکعت پڑھ کر دعائے صلوٰۃ الحاجت پڑھی اور عرض کیا یا اللہ میں اس بوجھ کا اہل نہیں ہوں، مجھے بچا لیجئے کسی اور کے بوجھ حوالے کر دیجئے، وہاں میں نے دعا کی اور میدان میں چلا گیا، میرا خیال تھا کہ مستقل امیر اور دائمی کسی کو یہ بنائیں گے، وہاں بحث ہوگی، بریلوی کہیں گے ہمارا امیر ہو، دیوبندی کہیں گے ہمارا ہو، اہلحدیث کہیں گے کہ ہمارا ہو، میں تو بچ جاؤں گا، وہ اتفاق ایسا ہوا کہ شورش موجود تھے، اس نے کہا صاحب! ہم گھوڑے جنگ کے اندر نہیں بدلا کرتے، جو صدر بن چکا ہے وہی صدر ہمارا، سب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ یا اللہ! یا مصیبت جس چیز سے میں بچنا چاہتا تھا نہیں بچ سکا، مجھے اپنی نااہلی کا اتنا احساس تھا کہ میں اس کام کے لیے قطعاً غیر موزوں ہوں، بالکل نااہل ہوں، لیکن جب سر پر آ پڑی تو میں نے اللہ سے عرض کیا یا اللہ میں نے اس ولایت کو مانگا نہیں، میں نے اس صدارت کو نہیں مانگا، اس صدارت کا میں خواہش مند نہیں تھا، اور میں اس سے کانپ رہا تھا، لیکن جب میری خواہش کے بغیر، میری آرزو کے بغیر، بلکہ میں نے دعا کی نہ ہو، مجھے آگ میں ڈال دیا گیا ہے تو آپ ہی مجھے منزل مقصود تک پہنچا دیجئے، اور میری اعانت فرما دیجئے، میں تائید غیبی کا منتظر ہوں، اس انداز سے یہ بوجھ میرے سر پڑا، جب آ پڑا تو بہر حال، جو کچھ کر سکتا تھا کر گزرا، نہ ذاتی کوشش میں کمی کی، نہ کبھی دعا میں کوتاہی کی اور ہر مجلس میں خیال کرتا کہ جہاں کوئی تیزی کرتا تھا میں اس پر بریک لگاتا تھا کہ نہیں ایسا کرو، اور خاص کر مجھے یاد ہے جب تک لائل پور میں ایک مشاورت ہوئی تھی جس کے اندر بڑے بڑے لوگ آئے تھے، اور طریق کار کے بارے میں لوگوں کو بڑے بڑے شبہات تھے، وہاں تو مجھے آسمان پر چڑھایا، اتنی اتنی سیڑھیاں تھیں، یا اللہ! میں کیسے چڑھوں، اتنی مشقت اور مجاہدے سے میں اوپر چڑھا وہاں جب اوپر پہنچا تو کرسی بھی بیٹھنے کے لیے نہیں تھی، سب نے کھڑے ہو کر تقریر کی، مجھے بھی کہا گیا کہ تو بھی کھڑا ہو جا، لاٹھی لے کر میں بھی کھڑا ہو گیا، جگہ ایسی کہ لاٹھی

زمین میں گھس گئی اور میں نے تقریر شروع کی، میں کہا نہیں کہ میں نے کیسی تقریر کی، سوا ڈیڑھ گھنٹہ ایسا بیان ہوا کہ میں نے آج تک کم ایسے انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ ایمان افروز تقریر تھی، اس میں مضمون میرا یہ تھا کہ دیکھو اگر تم کامیابی چاہتے ہو تو دیکھو ہمارے پاس اسلحہ نہیں، ہمارے پاس فوج نہیں، ہمارے پاس طاقت نہیں، ادھر حکومت کے پاس سب کچھ ہے، ہمارے پاس صرف اللہ کی طاقت ہے، اور اللہ کی رحمت ہے، اس کی تائید ہے، وہ تب ہی آسکتی ہے کہ ہم مظلوم بنیں، ظالم نہ بنیں، سارا بیان اسی پر تھا مظلوم بننے کی کیا برکات ہیں؟ اور مظلوم کو کیسے کامیابی حاصل ہوتی ہے؟ اور مظلوموں کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ تو میں نے بہت تفصیلات سنائیں۔

سب سے پہلے میں نے آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سنایا واتل علیہم نبا ابنی آدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر میں نے کہا دیکھو ہابیل اور قابیل دونوں بھائی تھے قابیل ظالم بنا کافر بنا، ہابیل مظلوم بنا، ہابیل مظلوم کی کیا حالت ہوئی قابیل ظالم کی کیا حالت ہوئی؟ اس سے میں نے شروع کیا نسل انسانی کے آدم اول کا قصہ خدا نے سنایا، یہ تمام انسانوں کے لیے نصیحت اور عبرت کی چیز ہے اس کے بعد میں نے اور قصے سنائے میں نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قریش کا ایک مجمع تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف فرما تھے۔ صدیق اکبر بھی تشریف فرما تھے، صدیق اکبر پہ قریش نے اعتراض کیا کیونکہ صدیق اکبر نے آپ کی مدد کی تھی، قریش نے اس وقت بہت گالیاں دیں حضرت صدیق اکبر خاموش رہے اور جب صدیق اکبر جواب دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوگئے، حضرت صدیق اکبر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مجھے یہ لوگ گالیاں سنا رہے تھے ستا رہے تھے تو آپ بیٹھے تھے، جب میں نے جواب دینے کا ارادہ کیا تو آپ روانہ ہوگئے، فرمایا جب تک تو نے جواب نہیں دیا تھا خاموش تھا تو فرشتہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا تیری طرف سے جواب دینے کے لیے۔ اور جب تو نے خود انتقاماً جواب دینا چاہا تو وہ فرشتہ چلا گیا، میں نے یہ قصہ سنایا اور بھی بہت سے قصے اس جلسے میں سنائے

تو حاصل یہ ہے کہ کس طرح سے یہ ذمہ داری مجھ پہ آن پڑی اور میں اس میں ہمہ تن لگ گیا، بہرحال میں نے کوشش کی، جہاں مجھے محسوس ہوا میں نے اصلاح کی، یہاں تک کہ بعض مرتبہ میں نے لوگوں سے غصہ میں کہا کہ یہ دین کا کام ہے، یہ عبادت ہے، اور عبادت کے اندر شرک برداشت کے قابل نہیں ہے اگر تم نے نفس کی خواہش بھی کی، وجاہت کی خواہش بھی کی، سمعہ وریا کی آمیزش ہوئی تو اللہ تعالیٰ قبول نہیں کریگا، ہم ناکام ہو جائیں گے، خدا کے لیے اس سے بچو! تو میرا کنٹرول کرنا بھی تھا، کسی نے اس کو بزدلی پہ محمول کیا جس نے بھی محمول کیا محمول کیا ہوگا، لیکن بہرحال میرا طریقہ یہی تھا، الحمد للہ اللہ جل ذکرہ کے فضل سے سب کچھ ہوا، سب کچھ وہی کرانے والے ہیں،

میں کہتا ہوں جو کوششیں ۱۸۵۷ء سے اس ملک کے اندر ہو رہی ہیں یہ کامیابی سب اسی کی برکات ہیں، انہی سے انگریزوں کا اقتدار ختم ہوا اور انہی قربانیوں کی برکت سے انگریزوں کا خود کاشتہ پودا بھی کاٹ دیا گیا

تاریخی تسلسل، یہ تاریخ میں ہمیشہ سے تسلسل ہوتا ہے، واقعات ہمارے سامنے نہیں ہوتے، لیکن رب العالمین کے ہاں واقعات کا ایک ترتیب ہوتا ہے، ان کا ایک خاص تکوینی نظام جاری ہوتا ہے، اس میں اثرات ہوتے ہیں خاص تجویزیں ہوتی ہیں، ہم کبھی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ ہماری ناکام کوششوں سے یا چند وقتی طریقوں سے کچھ ہوا، اصل بات یہ ہے کہ یہ ہمیشہ سے ایک تاریخی سلسلہ ہے دیکھو ہندوستان کو کیسے آزادی ملی ۱۸۵۷ء میں سب سے پہلی کوشش کی گئی، اس کے بعد ہوا کہ کانگریس بنی، لیگ بنی خلافت تحریک چلی یہ سب کچھ ہوا خلافت نے کچھ کام کیا، لیگ نے کچھ کام کیا، ہوتے ہوتے آخر میں کچھ دنیا کے بین الاقوامی حالات پیدا ہوگئے، انگریز مجبور ہوگئے کہ اپنے ملک کو یہاں مستورات کو چھوڑیں (ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں) لہذا انگریز چھوڑ کر چلے گئے یہی میرا مطلب ہے۔ یہ سب حق جل ذکرہ نے جو کام کرایا ہے تمام مسلمانوں کی کوششوں تنظیم اور باہمی صفوں میں اتحاد کا نتیجہ ہے، اور یہ اتحاد بھی ان کی طرف سے عطیہ ہے۔

تعجب ہے کہ اس ختم نبوت کی تحریک میں ایسے حضرات ہمارے ساتھ شریک تھے جو ہمارے چہروں کو دیکھنا برداشت نہیں کر سکتے تھے، اور مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ کو دھونا فرض سمجھتے تھے، وہ ایسے طور پر شامل ہوئے کہ گلے لگا رہے ہیں، اور بہت اچھے الفاظ ان سے سننے میں آئے، وہ کہتے تھے ہم نے سنا ہے کہ دیوبندی حضرات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، ہمیں تو آج معلوم ہوا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت میں ہم سے بھی آگے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دلوں کو صاف کر دیا، جو اختلافات تھے وہ ختم ہوگئے، اللہ تعالیٰ نے ایسا اتحاد فرمایا جو روئے زمین پر پورا اتحاد تھا، اور خس و خاشاک سب بہہ گئے، میں نے کہا معلوم ہوا کہ ہمارے جو اختلافات تھے وہ سب خس و خاشاک تھے جب وقت آگیا پوری امت متحد ہوگئی نتھرا ہوا صاف پانی اللہ تعالیٰ نے کیسے جمع کر دیا، یہ محض اللہ کا کرم و فضل تھا کہ اس نے ہمیں متحد بنا دیا، اس تفرقہ سے اس تشتت سے اس تشیع سے اس تحزب سے ہم کو علیحدہ کر کے ایک پلیٹ فارم پہ اس نے دین کی خدمت کیلئے جمع کر دیا، اور یہ کتنی نیک فال ہے۔ الحمد للہ۔

تو حقیقت میں اللہ پاک جل ذکرہ جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے، تو اس کے اسباب بھی مہیا کر دیتے ہیں، یہ اسی کا کام ہے وہ چاہے جس سے کام لے لے حق تعالیٰ نے ایک نجومی کو کھڑا کر دیا، کسی اور کو کھڑا کر دیا، اور میں کہتا ہوں جنرل ناظم الدین جو شب بیدار تہجد گزار اور پانچ وقت نماز پڑھنے والے تھے، ان کے زمانے میں تو دس ہزار کو شہید کرا دیا، اور ایک فاسق و فاجر جس کی زندگی سے ہم پناہ مانگتے ہیں، اس سے کام کرا دیا یہ اللہ کا کام ہے۔ یہ اللہ کے کرشمے ہیں (ان اللہ لیؤید الدین بالرجل الفاجر) یہ جو دنیا میں نظام ہے، ناظم الدین کے زمانے میں ختم نبوت کے مطالبے پہ دس ہزار کو شہید کرا دیا اور موجودہ وزیر اعظم کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ

نے مسلمانوں کی کوششیں قبول فرما کر ان کی زبان بھی مرور دی اور دل بھی موڑ دیا، اور ۶ ستمبر کی رات کو بارہ بجے کام کرا دیا، یا اللہ! یا اللہ!! اور مجھے فون ۲ بجے اطلاع ملی ہے کہ ۲۰ بجکر ۷ منٹ پر وہ راضی ہو گیا، ہم بھی جا رہے لگائے تھے پونے ایک بجے ہمیں فون آیا کہ الحمد للہ مبارک ہو، اس وقت میں تقریر کر رہا تھا اسی وقت لوگوں کو میں نے بتلا دیا تو یہ سب حق تعالیٰ شانہ کا کام ہوتا ہے ہاں البتہ یہ سعادت ہے ان حضرات اور ان نفوس کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کام کا ذریعہ بنا دیا ہے، اور اپنی مراد کا جارحہ بنا دے، اپنی حیثیت ایزدی کے ذریعہ ان سے کام لے لے، یہ ان کی سعادت بھی ہے، ان کی مقبولیت بھی، مشیت اللہ کے ہاتھ میں ہے، قلوب اللہ کے ہاتھ میں ہیں، طاقت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، دماغ اللہ کے ہاتھ میں ہے بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، توفیق بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے، یہ وسائل اس کے پیدا کردہ ہیں، ہمارا کیا ہے، لیکن اس کا کرم ہے، اس کا احسان ہے کہ ہم سے کام کراتا ہے، اور اجر بھی ہمیں دیتا ہے، تو بہر حال شکر اس بات کا ہے کہ اللہ جل شانہ ہم سب کو ہماری ناتمام کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دین کی خدمت کا ذریعہ بنا دیا ہے دنیا کا عظیم فتنہ اتنا بڑا فتنہ تھا یہ بین الاقوامی فتنہ جو ہمیشہ کے لیے ہمارے ملک کے لیے خطرہ تھا یہ مار آستین تھے مغربی دنیا کے آلۂ کار تھے، ان کے پاس کروڑوں نہیں اربوں روپے تھے، اسرائیل اور باہر کی دنیا کی حمایت ان کو حاصل تھی، اس لیے کہ ملک میں انقلاب پیدا کریں، وہ تھے کہ اس ملک میں بادشاہی اور تخت الٹنے کا خواب دیکھ رہے تھے، فوج میں کہاں پہنچ گئے تھے، بری فوج ان کے ہاتھ میں، بحری فوج ان کے ہاتھ میں اور انتہا ہو گئی کہ ربوہ میں قادیانیوں کا سالانہ جلسہ ہو رہا ہے ۱۹۷۲ء میں ناصر تقریر کر رہا ہے، اور ایئر فورس کے فوجی جا کر ان کو سلامی دیں، جس کی غلطت یہاں تک پہنچ جائے جس کا خطرہ یہاں تک پہنچ جائے۔ میں آپ کو کیا بتاؤں بہت کی تفصیلات میرے ذہن میں ہیں ان کا مدعا یہ تھا کہ پاکستان جیسے بڑے ملک میں وہ راسخ ہو جائیں اور وہ اس خیال میں تھے کہ ایک بڑا ملک ہمارے پاس آنے والا ہے، ہماری بادشاہی آنے والی ہے، یہ خوابیں سنایا کرتے تھے، اور ظفر اللہ ملعون خبیث کی وجہ سے جو سات سال یہاں وزیر خارجہ بنا رہا اور تین سال یو، این، او میں کام کیا، اس نے قادیانیت کی جڑیں دور تک پہنچا دیں، بین الاقوامی سطح تک پھیلا دیں، اور اس نے کیا کچھ کام نہیں کیا، انگریزوں کی حمایت ان کو حاصل تھی الغرض ملک میں یہ فتنہ بڑا خطرناک ہو گیا تھا، اللہ جل ذکرہ نے صحیح معنی میں پاکستان کو اب بچایا، ان خطرات سے جو اس ملک کے اندر موجود تھے، اب حق تعالیٰ جل ذکرہ یہ وقت لائے ہیں، اور توقع ہو گئی ہے، اب اتحاد ہمارا قائم رہے، اور دلوں میں اخلاص رہے اور نیت صادق رہے تو انشاء اللہ وقت قریب ہے، بعید نہیں ہے، جلد سے جلد مستقبل قریب کے اندر ہمارے دوسرے مقاصد کہ اسلامی نظام اس ملک کے اندر آ جائے، سایہ رحمت اللہ تعالیٰ کا قائم ہو جائے

وہ بھی قبول ہو جائے گا۔ اور بھٹو کی تقریر میں دو جملے اچھے ہیں قابل قدر ہیں ان کی قدر کرنی چاہیے ا بہر حال "عیش میر بگفتی ہنرش نیز بگو" کہ قوت سے کوئی مسئلہ دب نہیں سکتا ۱۹۵۳ء میں اس مسئلہ کو دبایا گیا پھر ابھر آیا اس لیے مسئلے کا حل نہیں ہوتا، مسئلے کا حل یہ ہے کہ افہام و تفہیم سے مسئلہ حل کیا جائے افہام و تفہیم سے مسئلہ حل ہو گیا اور آئندہ بھی افہام و تفہیم سے دوسرے مسائل کے حل کرنے کا راستہ کھل گیا یہ دو باتیں اس کی ہیں، میں قدر کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان سے اچھے الفاظ نکال دیئے اس لیے ہم ان کو پکڑ لیں گے کہ تم نے خود کہا ہے کہ ہم افہام و تفہیم سے مسائل حل کریں گے، اب آئندہ بھی چلیں بسم اللہ کریں منزل مقصود ابھی آگے ہے، مسئلہ ابھی ختم نہیں ہوا، ایک حل ہوا اور تم نے خود اصول رکھ دیا کہ افہام و تفہیم سے مسائل حل ہو سکتے ہیں، ہم بھی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے، ہم کہاں لڑنا مرنا چاہتے ہیں، ہم تو مظلوم رہے، ظالم تھوڑے رہے، میں نے ان سے کہا تھا کہ تمہیں مبارک ہو یہ کرسی ہم تجھ سے نہیں لینا چاہتے، ہماری بات تم مان لو۔

تین مہینے ہمیں تڑپایا گیا: ہمیں شکوہ صرف اس سے اتنا ہے کہ تین مہینے اس نے ہمیں تڑپایا، ہمیں رلایا وہ مظالم کرائے کہ خدا کی پناہ، ہماری تحریک کچلنے کے لیے کوئی کسر باقی نہیں رکھی اور پنجاب کے اندر ظالم نے وہ مظالم ڈھائے۔ جن کے تصور سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون لوگوں کو ننگا کیا، ان کو لٹکایا، ان کو سوئیاں چبھوئیں اور کیا کچھ کیا! اتنے مظالم کئے کہ ۱۲ دن اور کاٹنے کے اندر مکمل ہڑتال ہوئی پردہ نشین عورتیں پردے کے اندر سے چیخیں مار مار کر باہر نکلیں، انہوں نے جلوس نکالے، ان پر ٹیئرگیس چلایا گیا، ان پر لاٹھی چارج ہوا، ان کو گرفتار کرنے کے لیے عورتوں کی پولیس منگوائی گئی، اور کیا کچھ نہیں کیا گیا، ہمیں ان سے شکوہ یہ ہے ہم نے تو پہلے روز جب ۱۱ جون کو ملاقات ہوئی تھی کہا تھا کہ بھٹو صاحب دیکھو! خدا کے لیے تم غور کرو، آج تم تخت پر ہو، کل تختے پر ہو گے آج تمہارے پاس تخت ہے، کل کو یہ تخت چھن بھی سکتا ہے، قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر۔ اور میں نے زور سے اس میز کو ایک دھکا دیا جو میز میرے سامنے پڑی ہوئی تھی، اور میں نے کہا بھٹو صاحب! خدا کی قسم! اگر تم کافروں کے پریشر سے ڈرتے ہو تو اسلام کی عظمت محسوس نہیں کرتے ہو، اگر خدا پر آپ کا ایمان اور یقین ہے، اگر اللہ کے راضی کرنے کے لیے تم مسلمانوں کے اس مطالبہ کو مانو تو خدا کی قسم کوئی طاقت تمہارا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ اس وقت وہ اکیلا تھا صرف میں ہی اس کے پاس تھا، علیحدہ ملاقات تھی وہ کہنے لگا کہ مسئلہ پرانا ہے اتنی جلد کیسے حل ہو گا؟ میں نے کہا کیسے حل نہیں ہو گا! ایمان کا مسئلہ ہے، آپ وقت کے وزیر اعظم ہیں، اکثریتی پارٹی کے لیڈر ہیں، منصب آپ کے پاس ہے۔ ایک حکم پارٹی کو دو، چلو اسمبلی پوری نہیں ہوتی، آپ تو اکثریتی پارٹی کے لیڈر ہیں، اگر تم نے مان لیا تو اپنی پارٹی کو آزاد مت چھوڑو، حکم دیدو کہ یہ کام کرو، کام آج ہو جائے گا ایک گھنٹے میں ہو سکتا ہے، یہ تو وہ شخص کر سکتا ہے جو اکثریتی پارٹی کا لیڈر ہو۔ تم وزیر اعظم بھی ہو اور اکثریتی پارٹی کے لیڈر بھی ہو، سب دارو مدار تمہاری نیت پر ہے، پھر پندرہ منٹ میں یہ کام ہوا، یعنی قومی اسمبلی نے پندرہ منٹ میں کام کر لیا، سینیٹ نے ۱۵ منٹ میں کام کر لیا اور آخر کار بھٹو صاحب نہیں مانتے تھے نہیں مانتے تھے، مجبور ہو کر پندرہ منٹ میں اس نے بھی کام کر دیا، خیال میں آیا کہ ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا کہ یہ تحریر کو یہ تمام مراحل ایسی برق رفتاری سے طے ہو گئے کہ عقل حیران ہو گئی کہ کیا ہو رہا ہے۔

بہر حال یہ اللہ کی طرف سے تکوینی بات تھی، انہوں نے ہمارے سب وسائل کاٹ دیئے تھے، نہ اخبار ہمارے پاس، نہ پریس ہمارے پاس، نہ ٹی وی ہمارے پاس، نہ ریڈیو ہمارے پاس، ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں، ہمارے خلاف اشتہارات دیئے وہ تقریر بھی کرے یا ہمارے خلاف جو کچھ بھی کرے وہ اخبار میں آ جائے، ہم کچھ نہ کر سکیں، اس نے یہ ظلم کیا، اس ظلم نے ہماری اس تحریک کو زندہ رکھا، اس لیے قدرت کا یہ نظام تھا ایک طرف لوگوں نے اجر لیا، بعض شہید ہو گئے، بعض جیل گئے سب کچھ ہوا، ان کو تو اجر مل گیا اللہ تعالیٰ نے بلال اور خباب و خبیب کی یاد تازہ کر دی اور یہ کامیابی اللہ نے عطا فرمائی۔ تحریک کی ایک شاندار داستان ہے جو پھر تازہ ہو گی۔ شہداء ختم نبوت ۱۹۵۳ء کی، شہداء مر کر زندہ ہوتے ہیں، مظالم نے اس تحریک کو زندہ کیا، اور قوم کو متحد اور متفق بنا دیا اور لاہور کی شاہی مسجد کے اندر جب سے یہ شاہی مسجد بنی ہے تاریخ میں میرے علم میں اس سے بڑا جلسہ نہیں ہوا، نہ عیدوں میں ہوا دوسری کانفرنسوں کے اندر ہوا جتنا مجمع اندر تھا جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، ایک لاکھ تو مجمع صفوں میں آتا ہے اور لوگ بغیر صفوں کے بیٹھے ہوئے تھے، یعنی دو لاکھ مجمع اندر تھا اور اس سے دوگنا اس سے باہر تھا، اور سب نے پرجوش انداز میں کہا ہم سب مرنے کے لیے تیار ہیں، آخر میں میں نے بھی ایک جملہ کہا، جو بہت سخت تھا اور مزاج کے خلاف تھا میں نے کہا کہ بھٹو صاحب! لکھنے والے لکھ لیں! اور سننے والے سن لیں!! اب میں اعلان کرتا ہوں کہ سات تاریخ کے بعد اگر فیصلہ آپ نے ہماری خواہش کے مطابق نہیں کیا۔ تو آپ کو پھر ربوہ کی وزارت عظمیٰ مبارک ہو، آپ پھر قادیانیوں میں جا کر بیٹھ جائیے۔ آپ ان کو مبارک ہوں، آپ ان کے وزیر اعظم ہوں گے، ہمارے نہیں ہوں گے، یہ ہمیں پھر کہنا پڑا۔

میرا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قوم کے اتحاد اور قوم کی تنظیم میں بڑی طاقت ہے، اس کے ساتھ اور مظلوم بن کر کے رہنا، اتحاد کرو اور مظلوم بنو، بس امن سے رہو۔ پھر کامیابی ان شاء اللہ آپ کے قدم چومے گی یہ ہمیشہ کے لیے ہماری تاریخ ہے، اس سے زیادہ میں

باقی صفحہ ۲ پر

گوشۂ کتب

تبصرہ کیلئے کتاب کی دو جلدوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب :	حکایات و عملیات مدنیؒ
مصنف :	اعجاز احمد سنگھانوی
قیمت :	بیس روپے
صفحات :	۱۱۲
پتہ :	اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی دیوبند کے اس ستارے کا نام ہے جو مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے تو دیوبند سے لے کر گنبد خضرا تک یہ خدمت انجام دیتے رہے ان کی قال اللہ و قال الرسول سے اگر ہندوستان کی سیاہ فضا ایک رات میں انوارات پھوٹے تو مدینہ منورہ کی مبارک فضا بھی انہیں صداؤں کی امین ہے۔ مگر حضرت مدنی یہیں تک محدود نہیں رہے بلکہ تحریک ریشمی رومال میں اگر اپنے استاذ شیخ الہند کے ہم رکاب تھے تو لیعد میں انگریز کو برصغیر سے اخراج عمل کو اس کے منطقی انجام سے بھی ہمکنار کیا۔

انہیں شیخ الاسلام حضرت مدنی کے حوالے سے محترم اعجاز احمد سنگھانوی نے قلم اٹھایا اور قرطاس پر جھک کر جب ان کا قلم اٹھا تو عالم عدم سے وجود میں آ گئی۔

اعجاز احمد صاحب جس بھی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی کوشش ہوتی ہے کہ یاران نکتہ داں کیلئے کوئی انوکھی سوغات تیار کریں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب اپنے موضوع پر دیگر کتب سے منفرد ہوتی ہے ان کی زیر نظر کتاب بھی ماشاءاللہ ایک گراں قدر کاوش ہے اس کتاب میں انہوں نے حضرت مدنیؒ کے مختصر سوانح حیات کو قلمبند کر کے اپنا نام ان افراد کی فہرست میں درج کروایا ہے جو اپنے اسلاف کے عہد سے لے کر لحد تک کے واقعات کو قلم کے ذریعے تاریخ کا حصہ بنا کر آنے والی نسلوں پر احسان اور زندگی کی شاہراہ پر گزر جانے والوں کی قدر کرتے ہیں۔

حضرت مدنیؒ کے سوانحی خاکے کے علاوہ اس کتاب میں حضرت کی کچھ حکایات اور آخر میں اعمال۔ یہ اس کتاب کی وہ خصوصیات ہیں جو اس کتاب کو دیگر کتب سے منفرد کرتی ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان کی یہ کاوش تاریخ کا ذوق رکھنے والوں کے لئے ایک انمول تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائیں۔

گفتار میں آیات مقدس کی دمک ہے
کردار میں معیار نبوت کی چمک ہے!
اطوار میں انوار الٰہی کی جھلک ہے!
سرکار میں رحمت کے تقاضوں کی لپک ہے

خالص اور سفید
صاف وشفاف
شکر (چینی)
باوانی شوگر ملز لمیٹڈ کراچی
پتہ
حبیب اسکوائر ـــ ایم اے جناح روڈ [بندر روڈ] کراچی

بقیہ: مولانا محمد یوسف بنوری ؒ

تقریر تو نہیں کرسکتا ہوں، چند باتیں آپ کو میں نے ویسے سنادیں، اور آخر میں دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ جل ذکرہ جاری کوششوں کو مقبول فرمائے، اور ہم سے جو کوتاہی ہوئی، نفس کی خواہش سے اگر ہم نے کوئی حظ لیا ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے، اور آئندہ کے لیے ہم کو ظاہر و باطن میں ایسا متحد بنائے، اور ہمارے پاکستان کے جو دیگر دینی اعلیٰ ترین مقاصد ہیں ان کو بھی انجام اور تکمیل تک پہنچائے، اور ہمارے لیے ذریعہ سعادت بنادے۔

آخر میں بس یہ کہتا ہوں کہ جتنے علماء اور طلبہ بند ہیں، حتیٰ کہ اب تک یہ سلسلہ جاری ہے، ۶ ستمبر ۱۹۷۴ء کو لیتے علماء کو اسلام آباد میں پھر جیل میں ڈالا گیا ہے۔ بغیر کسی جرم کے۔ ان سب کو حکومت رہا کرے، جماعت اخبار جو بند کردیا گیا ہے اس کو واگذار کرے۔

اب میں گذارشات ختم کرنا چاہتا ہوں، اب آپ سب اللہ تعالیٰ سے دعا کریں (پھر حضرت نے دعا فرمائی)

بقیہ: پریس کانفرنس

نہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی تمام مجاہدین نے اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں ایسے ہیں امان اللہ بالکل الگ تھلگ اور اکیلا رہ گیا ہے۔

اچھا خدا تمہیں آزادی — اور کشمیری مجاہدین کو کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

آمین ....

خدا حافظ ....

اچھا اچھا اب یاد آیا تم نے اپنی غلامی کی بات کی تھی.....!

بقیہ: مسلم اور مسلم دنیا

تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی اس کے علاوہ مغربی ملکوں سے آئے ہوئے ان انجینئروں اور فنی ماہرین کو بھی انہوں نے استعمال کیا مگر بفضلہ تعالیٰ حکومت اور وہاں کے مسلمانوں نے بروقت اس خطرے کو بھانپا اور ان پر پابندی لگادی۔

تعجب اس پر ہے کہ یہ لوگ اپنی عالمی نشریات کے ذریعہ برونی میں قادیانیت کے پھیلتے ہوئے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں جبکہ قادیانیت کا برونی میں اب کوئی وجود باقی نہیں رہا ہے۔ اس قسم کے بیانات کا مقصد حقیقت میں کچھ سرگرمیوں پر پردہ پوشی ہوتا ہے۔

برونی جس نے ۱۹۸۴ء میں آزادی حاصل کرکے باقاعدہ اقوام متحدہ کی رکنیت حاصل کرلی ہے سو فیصد مسلمانوں کا ملک ہے جس میں عیسائی یا کسی اور مذہب کے لوگوں کو شہریت حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر چینی باشندوں نے شہریت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر ان کے مذہب کی وجہ سے ان کی خواہش پوری نہ ہوسکی بلکہ اس کے برعکس حکومت نے باہر سے آنے والے محنت کش افراد کے درمیان اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے خصوصی شعبہ قائم کررکھا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہر سال تقریباً تین سو غیر مسلم مسلمان ہورہے ہیں بہرحال برونی کی حکومت نے عیسائی تنظیموں پر قانونی پابندی عائد کرکے ایک منڈلانے والے خطرے سے اپنے آپ کو بچالیا۔ لیکن ایک اور خطرہ کا اس کو سامنا ہے جو پڑوسی ممالک فلپین، تھائی لینڈ انڈونیشیا وغیرہ سے آنے والے تارکین وطن کی شکل میں ظاہر ہورہا ہے کیونکہ برونی محنت کش طبقے کا از حد محتاج ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اس معاملے میں بغور جائزہ لے اور اپنی عوام اور با اثر اداروں کو ان کے اثرات سے محفوظ رکھنے کی سعی کرے۔

بقیہ: مولانا فخر الدین صاحبؒ

میں صرف فرمائی لیکن درمیان میں جب بھی اکابر علماء نے دارالعلوم کے لئے طلب فرمایا حضرت الاستاذ نے اسے کچھ شرائط کے ساتھ قبول فرمالیا۔ حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہ نے نینی جیل سے حضرت الاستاذ کو تدریس دارالعلوم کے لئے لکھا کہ دارالعلوم میں بخاری شریف تمہیں پڑھانا ہے، پھر کافی تامل کے بعد اہتمام کی جانب سے خط و کتابت کی گئی تو حضرت محرم ۱۳۴۳ھ میں تشریف لائے اور بخاری شریف کا درس دیا اور قائم مقام صدر المدرسین کے عہدے پر فائز رہے، دوبارہ ۱۳۴۴ھ کے الیکشن میں جب شیخ الاسلام نے پانچ ماہ کی رخصت لی تو حضرت الاستاذ کو ترمذی شریف پڑھانے کے لئے بلایا گیا اور قائم مقام صدر المدرسین قرار دیا گیا۔

پھر آپ ۱۳۶۶ھ میں تشریف لائے اور تاحیات درس بخاری دیتے رہے۔

سیاسی زندگی

حضرت الاستاذ کی سیاسی زندگی کا آغاز دور خلافت سے ہوتا ہے، حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ نے اس وادی پر خار کی دعوت دی تھی جس پر حضرت الاستاذ نے مثالی کردار پیش کیا ایک بار سنبھل رہنما کی ضلع مراد آباد میں کسی سیاسی رہنما کی گرفتاری کے سلسلہ میں جلسہ تہنیت کا انعقاد عمل میں آیا۔ حضرت الاستاذ نے اس سلسلہ میں نہایت گرم تقریر فرمائی جس کے الزام میں حضرت پر مقدمہ بھی چلایا گیا۔

مراد آباد میں نہایت عظیم الشان نمائش ہوتی تھی اور یونین کا جھنڈا لہراتا تھا حضرت الاستاذ نے اس سلسلہ میں رضاکارانہ نظام قائم کیا اور سات سو رضاکاروں کی جماعت قائم کی اور لوگوں کو نمائش میں شرکت سے روکا۔ اس مشن کی کامیابی کے لئے محلہ در محلہ جلسے کئے گئے۔ متفق طور مراد آباد کے اجلاس میں تو خاتم المحدثین علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور علامہ علیہ الرحمہ نے اس سلسلہ میں نہایت پرزور تقریر فرمائی تھی۔ غرض حضرت الاستاذ نے اس بارے میں اہم اور موثر اقدامات کئے۔ بالآخر ایک تقریر کے الزام میں حضرت استاذ کو گرفتار کرلیا گیا اور منصب کے موافق اے کلاس میں رکھا گیا۔ حضرت کے ساتھ تقریباً پچاس رضاکاروں نے گرفتاری دی... ایک سال قید محض کی سزا تھی لیکن تقریباً پانچ ماہ بعد گاندھی ارون مصالحت کے تحت رہائی ہوگئی۔ اس کے بعد پروگرام کی تکمیل کے لئے سعی فرمائی، حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دور صدارت میں دو مرتبہ جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر مقرر کئے گئے متعدد مرتبہ اہم جلسوں کی صدارت بھی فرمائی۔ جن میں صوبہ دہلی کا مشترکہ کا خطبہ صدارت طبع بھی ہوا تھا۔ سہارنپور میں جمعیۃ احرار کے اجلاس کی صدارت اور ضلع مظفر نگر کانفرنس کی صدارت بھی حضرت کی سیاسی زندگی کے اہم واقعات ہیں۔ اجلاس احرار کا خطبہ صدارت نہایت عظیم الشان تھا متعدد اخبارات نے اس کے اقتباسات لئے تھے۔

آپ نے جمعیۃ علماء ہند کے متعدد اجلاس عام کی صدارت بھی فرمائی۔

KHATME NUBUWWAT (AN INTERNATIONAL WEEKLY MAGAZINE)
Registered No. M-160

A QUESTION TO ALL MUSLIM BRETHREN

Do you want:	Your money should be spent on making Muslims into Apostates?
Certainly your answer will be:	No.
But you are!	Unintentionally, unknowingly.
How:	In this way that some of you transact business with Qadianis. You purchase and use their products. You deal with them commercially and don't realise the harm you are doing to Islam.
Do you know:	A large part of the profit, accruing to Qadianis from your deals is deposited by them in their apostatic Centre at Rabwah.
What work this Centre does:	It makes unwary Muslims into Kafirs and Apostates.
Alas:	Your money is used against your very Deen and you are unaware.
Realise:	You are contributing towards apostacising Muslims because you buy, sell, and use the products manufactured by Qadianis.

Mark:

It's your money that is spent on Qadiani apostatic activities.

It's your money that is letting Qadianis print their literature.

It's your money that is abetting publication of Qadianis' distorted translations of Quran.

It's your money that is supporting Qadiani Rabwah Centre.

It's your money that is helping Qadiani preachers to preach Kufr in the world.

It's your money which is spent by Qadianis in spread of their heresy.

Q'SAVIOURS OF DEEN-E-ISLAM

Rally round the banner of your Prophet Muhammad Rasool Allah Sallal-Lah-o-Alaihe-Wa-Sallam.

Boycott all Qadiani products; don't deal in them, don't buy them, don't use them.

Cut them out at social, commercial, economic levels.

Don't attend their functions, marriages, funerals etc.

Be hostile, you, your friends and your relatives towards these enemies of your Deen for sake of Allah.

See through the fraud of these self-styled "Ahmadis".

Identify them as Kafirs, Apostates and Dualist-infidels.